تقسیمِ وراثت کے شرعی احکام

وراثت کی تقسیم کا مکمل

انسائیکلوپیڈیا

یُوصِیکُمُ اللّٰہُ فِیۤ اَوۡلَادِکُمۡ

حافظ ذوالفقار علی
شیخ الحدیث ابوہریرہ شریعہ کالج لاہور

مکتبہ بیت السلام
لاهور ـــــ ریاض

تقسیم وراثت کے شرعی احکام
وراثت کی تقسیم کا مکمل
انسائیکلوپیڈیا
حافظ ذوالفقار علی
مکتبہ بیت السلام
ریاض۔لاہور

فہرست مضامین

بسم اللہ الرحمن الرحیم

پیش لفظ

حقوق العباد کی ادائیگی ہی ہمارے معاشرتی ڈھانچے کی بنیاد ہے جبکہ اس کی پامالی دنیا و آخرت میں خسارے کا باعث ہے اس لیے اللہ رب العزت نے اپنی آخری کتاب قرآن مجید میں جہاں عقیدۂ توحید پر زور دیا ہے وہاں ایک دوسرے کے حقوق کی ادائیگی کا درس بھی دیا ہے۔

حقوق العباد میں ایک اہم ترین حق موروثی جائیداد کی منصفانہ تقسیم ہے جس میں معمولی سی کوتاہی بھائی کو بھائی کا دشمن بنا دیتی ہے اس لیے اللہ جل جلالہ نے قرآن مجید میں تقسیم وراثت کا مفصل قانون نازل فرمایا ہے جس میں ضعیف اور طاقتور سب کے حقوق واضح طور پر بیان کر دیے ہیں تاکہ ظلم اور حق تلفی کا خاتمہ ہو سکے۔

اسلامی نظامِ میراث کی خصوصیات میں سے ایک امتیازی خصوصیت یہ ہے کہ اس میں مرد کی طرح عورت کو بھی وارث قرار دیا گیا ہے مگر بڑے دکھ کی بات ہے کہ ہم مِنْ حَیثُ القوم اسلام کی سنہری تعلیمات کو پسِ پشت ڈال چکے ہیں جس کی بنیادی وجہ علم و آگہی کا فقدان ہے۔ میرے لیے یہ امر باعثِ مسرت ہے کہ محترم حافظ ذوالفقار علی صاحب نے میری درخواست پر اس اہم موضوع پر قلم اٹھایا ہے۔

محترم حافظ صاحب اس سے قبل دور حاضر کے مالی معاملات اور معیشت و تجارت کے اسلامی احکام پر دو بڑی عمدہ کتابیں تحریر کر چکے ہیں۔ راقم الحروف نے یہ دونوں کتابیں پاکستان سے باہر جامعۃ الازہر اور امریکہ وغیرہ میں دوستوں کو بھیجیں جب کہ یہاں چیف جسٹس لاہور ہائی کورٹ خواجہ محمد شریف صاحب اور ممتاز قانون دان جناب وسیم سجاد صاحب کو بھی بطور تحفہ دیں جو انہوں نے بہت پسند فرمائیں۔

زیرِ نظر کتاب میں بھی جناب حافظ صاحب نے اپنے منفرد انداز میں اسلام کا قانونِ وراثت اس طریقے سے کھول کر بیان کیا ہے کہ جس سے نہ صرف دینی طبقہ کے لوگ مستفید ہوں گے بلکہ یہ قانون دان حضرات کے لیے بھی مفید ثابت ہوگی۔ فاضل مؤلف نے عام فہم اور دل نشین انداز میں احکامِ وراثت پر سیر حاصل بحث کی ہے۔ چنانچہ موصوف نے احکامِ وراثت کی اہمیت وافادیت، اسلامی قانونِ وراثت کی خصوصیات، اوراس کے تدریجی مراحل، ترکہ سے متعلق ضروری اموراور قانونِ وراثت پر تفصیل سے روشنی ڈالی ہے۔

مجھے امید ہے قارئین یہ کتاب دلچسپی سے پڑھیں گے۔ میری دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ اسے اپنی بارگاہ میں قبول فرمائے اور فاضل مؤلف کے حق میں توشۂ آخرت بنائے۔

فخر الدین صدیقی ایڈووکیٹ ہائیکورٹ
13۔ عمر بلاک علامہ اقبال ٹاؤن لاہور

بسم اللہ الرحمن الرحیم

عرضِ مؤلف

اسلام کا مقصد ایک ایسا معاشرہ قائم کرنا ہے جہاں باہمی اتفاق واتحاد اور اُخوت ومحبت کا دور دورہ ہو۔ یہ مقصد تب ہی حاصل ہوسکتا ہے جب معاشرے کے تمام افراد بالخصوص ایک خاندان سے تعلق رکھنے والے اپنی بساط کی حد تک فتنہ وفساد کی آگ بھڑکانے والے اسباب سے بچ کر زندگی گزارنے کی کوشش کریں۔ اسی لئے اسلام نے تمام مسلمانوں کو یہ تعلیم دی ہے کہ جب کوئی شخص فوت ہوجائے تو جتنی جلدی ممکن ہو اس کا ترکہ اس کے شرعی ورثاء کے درمیان تقسیم کردیا جائے تاکہ خاندان باہمی تنازعات اور اختلافات کا شکار نہ ہو لیکن بڑے دکھ کی بات ہے کہ آج ہمارے معاشرے میں دین کی اس گراں قدر تعلیم کے بارے میں انتہائی غفلت اور لاپروائی پائی جاتی ہے جس کی وجہ سے معاشرے میں زر اور زمین کے جھگڑوں کی بھرمار ہے اور بے شمار خاندان باہمی عداوتوں اور دشمنیوں کی بھینٹ چڑ چکے ہیں۔ لہٰذا عصر حاضر کے مسلمانوں میں موروثی مال وجائیداد کی تقسیم کی اہمیت وافادیت کو اجاگر کرنا اور اسلامی قانونِ وراثت کے بارے میں شعور بیدار کرنا وقت کی اہم ترین ضرورت ہے۔

راقم گذشتہ کئی سال سے ابوہریرہ شریعہ کالج میں تدریسی خدمات انجام دینے کے ساتھ ساتھ جامع مسجد ابوہریرہ میں بحیثیت نائب خطیب بھی ذمہ داری ادا کررہا ہے۔ تقریباً دو سال قبل راقم نے جامع مسجد ابوہریرہ میں ایک خطبہ جمعۃ المبارک میں سورۃ نساء کی آیات میراث کی تفسیر بیان کی جسے سامعین نے کافی پسند کیا۔ ممتاز قانون دان جناب فخر الدین صدیقی جو علامہ علاؤالدین صدیقی رحمہ اللہ سابق چیئرمین اسلامی نظریاتی کونسل کے بھتیجے ہیں، جمعۃ المبارک کی نماز ہمیشہ مسجد ابوہریرہ میں ادا کرتے ہیں۔

انہوں نے میرے بارے میں اپنے حُسنِ ظن کا اظہار کرتے ہوئے ارشاد فرمایا کہ میں اس موضوع پر ایک مختصر کتاب لکھوں۔ چونکہ علمِ میراث اسلام کے اہم اور مشکل ترین مضامین میں سے ایک ہے، جو وسیع مطالعے اور گہرے علم کا متقاضی ہے جس سے بندۂ ناچیز تہی دامن ہے اس لیے پس وپیش سے کام لیتا رہا لیکن موصوف مسلسل توجہ دلاتے رہے کہ اس عنوان پر تعلیم یافتہ طبقہ کے لیے سادہ انداز اور سلیس زبان میں ایک کتاب ضرور ہونی چاہیے۔ لہٰذا اپنے ممدوح کے اصرار پر مجبوراً کتاب کے مواد کو ترتیب دینا شروع کیا جو اسلامی قانونِ وراثت کی معروف کتاب ''السراجی'' کی تدریس کے دوران مختلف کتب سے جمع کیا ہوا تھا۔ اللہ رب العزت کے فضل وکرم سے بہت جلد اس کی تکمیل ہوگئی۔ اللہ تعالیٰ اسے اپنی بارگاہ میں قبول فرمائے اور ہم سب کو اس پر عمل کرنے کی توفیق مرحمت فرمائے۔ آمین!

آخر میں محترم جناب مولانا انس نضر مدنی ﷾ کا شکریہ ادا کرتا ہوں جنہوں نے اس پر نظر ثانی فرمائی۔ اللہ تعالیٰ ان کی محنت قبول فرمائے اور انہیں جزائے خیر سے نوازے۔

حافظ ذوالفقار علی

ابوہریرہ شریعہ کالج کریم بلاک علامہ اقبال ٹاؤن لاہور

احکامِ وراثت کی اہمیت وافادیت

فوت شدہ شخص کے مال وجائیداد کی منصفانہ تقسیم ہماری اجتماعی زندگی کے ان مسائل میں سے ہے جن کو حل کیے بغیر کسی بھی معاشرے کے استحکام، اتحاد کا تصوّر بھی نہیں کیا جا سکتا۔ یہی وجہ ہے کہ مالکِ ارض وسماء نے اپنی آخری کتاب قرآن مجید میں اس مسئلہ کی ضروری تفصیلات بذاتِ خود بیان فرمائی ہیں تاکہ اس میں کسی رائے زنی کی کوئی گنجائش نہ رہے جب کہ اس کے برعکس نماز، روزہ، حج اور زکوۃ وغیرہ کے مسائل کے بارے میں صرف بنیادی ہدایات دی ہیں تفصیلات بیان کرنے کا اختیار اپنے رسول ﷺ کو تفویض کیا ہے جس سے شریعت اسلامیہ کی نگاہ میں مسئلہ وراثت کی اہمیت واضح ہوتی ہے۔

اس کے علاوہ قرآن حکیم نے وراثت کے احکام کو اللہ تعالیٰ کی وصیت اور اس کی طرف سے مقرر کی گئی حدود قرار دے کر ان پر سختی سے عمل درآمد کی تاکید فرمائی ہے اور ان سے روگردانی کو ذلت آمیز عذاب کا موجب قرار دیا ہے۔ چنانچہ احکام میراث بیان کرنے کے بعد فرمایا:

{وَصِيَّةً مِّنَ اللّٰهِ ۗ وَاللّٰهُ عَلِيْمٌ حَلِيْمٌ ﴿١٢﴾ تِلْكَ حُدُوْدُ اللّٰهِ ۗ وَمَنْ يُّطِعِ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ يُدْخِلْهُ جَنّٰتٍ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ خٰلِدِيْنَ فِيْهَا ۗ وَذٰلِكَ الْفَوْزُ الْعَظِيْمُ ﴿١٣﴾ وَمَنْ يَّعْصِ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ وَيَتَعَدَّ حُدُوْدَهٗ يُدْخِلْهُ نَارًا خَالِدًا فِيْهَا ۠ وَلَهٗ عَذَابٌ مُّهِيْنٌ ﴿١٤﴾} (النساء: ۱۲ تا ۱۴)

”یہ (احکام وراثت) اللہ تعالیٰ کی وصیت ہیں اور اللہ تعالیٰ سب کچھ جاننے والا بردبار ہے۔ یہ اللہ تعالیٰ کی حدیں ہیں اور جو اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول کی اطاعت کرے گا اللہ تعالیٰ اسے ایسے باغات میں داخل کرے گا جن کے نیچے نہریں بہتی ہوں گی، ایسے لوگ ہمیشہ ان باغات میں رہیں گے اور یہ زبردست کامیابی ہے اور جو شخص اللہ اور اس کے رسول کی نافرمانی کرے گا

اور اس کی حدود سے تجاوز کرے گا اللہ اسے آگ میں داخل کرے گا جس میں وہ ہمیشہ رہے گا اور اس کو ایسا عذاب ہوگا جو ذلیل کر کے رکھ دے گا۔''

سورۂ نساء کے آخر میں ان احکام کے خاتمہ پر ارشاد فرمایا:

{ يُبَيِّنُ اللّٰهُ لَكُمْ اَنْ تَضِلُّوْا ۭ وَاللّٰهُ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيْمٌ ﴿۱۷۶﴾ }

''اللہ تمھارے سامنے (احکام وراثت) کو بیان کرتا ہے تاکہ تم گمراہ نہ ہو، اور اللہ ہر چیز کا پورا علم رکھتا ہے۔''

یعنی وراثت کے اصول وضوابط اتنی وضاحت اور تفصیل سے بیان کرنے کی غرض یہ ہے کہ تم گمراہی سے بچ جاؤ۔

ان احکام کی اہمیت نبی اکرم ﷺ کے اس حکم سے بھی عیاں ہے:

"تعلموا الفرائض و علموها الناس فإني امرؤ مقبوض و أن العلم سيقبض حتى يختلف الإثنان في الفريضة فلا يجدان أحدا يفصل بينهما" (المستدرک للحاکم: کتاب الفرائض)

''وراثت کے احکام خود سیکھو اور لوگوں کو بھی سیکھاؤ کیونکہ میں یقیناً فوت ہو جاؤں گا اور (احکام وراثت) کا علم اٹھا لیا جائے گا اور فتنے ظاہر ہوں گے یہاں تک کہ دو آدمیوں کا وراثت کے ایک مسئلہ میں اختلاف ہوگا لیکن ان کو کوئی ایسا شخص نہیں ملے گا جو ان کے درمیان فیصلہ کر سکے۔''

احکام واثت کی اس اہمیت کے پیش نظر ہی کبار صحابہ کرام رضی اللہ عنہم ان کو سیکھنے سکھانے کی ترغیب دلایا کرتے تھے۔ چنانچہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا فرمان ہے:

"تعلموا الفرائض فانها من دينكم"

(السنن الکبری للبیهقی: باب الحثِّ عَلَى تَعْلِيمِ الْفَرَائِضِ)

''وراثت کے احکام سیکھو کیونکہ یہ تمھارے دین کا ضروری حصہ ہیں۔''

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کا ارشاد ہے:

"من تعلم القرآن فلیتعلم الفرائض"

(السنن الکبری للبیھقی باب الحثِ عَلٰی تَعلِیمِ الفَرَائِضِ)

''جو شخص قرآن سیکھے وہ وراثت کے احکام بھی سیکھے۔''

اسی ترغیب وتاکید کا نتیجہ تھا کہ بہت سے اکابرین امت نے اس موضوع پر مستقل کتابیں لکھی ہیں جنہیں ان احکام کی اولین کتب ہونے کا شرف حاصل ہے۔

اہل علم شرعی احکام کو دو حصوں میں تقسیم کرتے ہیں ایک حصے میں تنہا وراثت کے احکام اور دوسرے حصے میں بقیہ تمام دینی احکام کو رکھتے ہیں۔اس کی وجہ یہ ہے کہ ہر انسان کی دو حالتیں ہیں ایک دنیاوی زندگی اور دوسری موت کے بعد کی، چونکہ احکام وراثت کا تعلق موت کے بعد سے ہے اور بقیہ تمام دینی احکام کا تعلق حیات مستعار سے اس لئے احکامِ وراثت کے علم کو نصف علم کہا جاتا ہے گویا تقسیم وراثت کے احکام ومسائل کا علم باقی تمام دینی احکام کے علم کے برابر اور مساوی ہے۔

اگر اسلام کا قانونِ وراثت حقیقی معنوں میں نافذ کر دیا جائے تو اس سے ایک بڑی مثبت تبدیلی یہ آئے گی کہ بڑی بڑی جائیدادیں اور جاگیریں خود بخود چھوٹے چھوٹے یونٹوں میں تقسیم ہو جائیں گی جس سے معاشرے میں ایک متوازن طریقے سے خوشحالی آئے گی اور رشتہ داروں کے درمیان معاشی وسائل کا فرق کم ہوگا کیونکہ اگر ایک شخص کی بیٹی یا بیٹے کو زمین سے حصہ ملتا ہے تو اس کا مطلب یہ ہے کہ بیٹی کا شوہر اور بیٹے کی بیوی بھی اس جائیداد سے فائدہ اٹھائیں گے اور پھر یہ سلسلہ آگے تک جاتا ہے۔

اس کے علاوہ رشتہ داروں کے درمیان اُخوت ومحبت کو فروغ ملے گا اور معاشرے کی بنیادی اکائی خاندان کی بنیادیں مستحکم ہونے سے باہمی تنازعات، لڑائی جھگڑوں اور نفرتوں سے پاک، پرامن اور فلاحی معاشرے کے قیام میں مدد ملے گی۔

جبکہ ان احکام کو نظر انداز کرنے سے ایک مستقل خرابی یہ سامنے آتی ہے کہ مختلف ورثاء کے مابین باہمی رنجش اور کشیدگی پیدا ہو جاتی ہے حالانکہ مال سے زیادہ رشتوں کی اہمیت ہے۔

اسلامی قانونِ وراثت کی امتیازی خصوصیات

تقسیم وراثت کے اسلامی احکام کسی انسان کے وضع کردہ نہیں بلکہ کائنات کے حقیقی مالک اور حاکم جس کا کوئی حکم حکمت و مصلحت سے خالی نہیں ہوتا، یہ اس ذات کے عطا کردہ ہیں اس لئے یہ انتہائی جامع، فطرت کے عین مطابق اور رحمت ہیں۔ اگر ہم ان احکام کا دنیا میں رائج دیگر قوانین وراثت سے تقابلی جائزہ لیں تو یہ حقیقت روزِ روشن کی طرح واضح ہو جاتی ہے کہ ان احکام سے بہتر اور منصفانہ احکام نہ آج تک وضع ہوئے ہیں اور نہ قیامت تک ہو سکیں گے۔ گویا یہ احکام اللہ تعالیٰ کا ایک خاص انعام واحسان اور انسانی معاشرے کو مثالی معاشرہ بنانے کے لئے ہیں۔

امریکہ سمیت کئی ممالک کے قانون کے مطابق مرنے والا اپنی جائیداد کے بارے میں کلّی طور پر بااختیار ہوتا ہے حتیٰ کہ موت سے قبل کسی کتّے اور بلّے کو اپنے مال کا مالک بنانا چاہے تو بنا سکتا ہے۔ انگلینڈ میں اولاد میں سب سے بڑا خواہ وہ بیٹا ہو یا بیٹی کو باپ کا وارث سمجھا جاتا ہے، باقی اولاد خواہ وہ بیٹے ہی کیوں نہ ہوں میراث سے محروم رہتے ہیں۔ اسی طرح فرانس میں بھی یہ قانون ہے کہ انسان موت سے قبل جس شخص کو چاہے اپنے مال کا وارث بنا سکتا ہے۔

یہودی مذہب میں اگر میّت کا بیٹا موجود ہو تو بیٹی باپ کی وارث نہیں بن سکتی۔ بیٹی کو صرف اسی صورت میں وراثت ملتی ہے جب میّت کا کوئی بیٹا موجود نہ ہو جیسا کہ مروجہ تورات میں ہے:

> ”اور بنی اسرائیل سے کہہ کہ اگر کوئی شخص مر جائے اور اس کا کوئی بیٹا نہ ہو تو اس کی میراث اس کی بیٹی کو دینا۔“ (گنتی: باب، ۲۷، آیت ۸)

رومن لاء میں شادی شدہ بیٹی باپ کی میراث سے محروم رہتی ہے۔

ہندو مذہب میں بھی عورت کو اس کے حق وراثت سے محروم رکھا جاتا ہے۔ ہندوؤں میں لڑکی اپنے باپ کی جائیداد کی وارث نہیں بن سکتی، بیوہ کو اس کا حصہ نہیں دیا جاتا۔ ان سے متاثر ہو کر بعض مسلمان بھی بہنوں کو وراثت سے حصہ نہیں دیتے اور یہ کہہ کر جان چھڑا لیتے ہیں کہ تمہیں شادی کے موقع پر اتنا جہیز دے دیا ہے۔

ظہور اسلام سے قبل اہل عرب میں بھی یہی دستور تھا کہ مرنے والے کی ساری جائیداد بڑے بیٹوں کو دے دی جاتی ،عورتیں اور نابالغ بچے میراث سے محروم رہتے۔ عربوں کا اصول تھا کہ مال وراثت کے اہل صرف وہ ہیں جو میدان جنگ میں تلوار چلانے اور دشمن کا مقابلہ کرنے کے قابل ہوں۔ جن میں لڑنے اور قبیلے کے دفاع کی صلاحیت نہیں وہ میراث کے بھی حق دار نہیں ہیں۔ چونکہ عورتیں اور بچے اس اصول پر پورا نہیں اترتے تھے اس لئے وراثت سے یکسر محروم رہتے تھے۔

یہ تمام نظام ہائے وراثت ناقص، سراسر عقل وفطرت کے خلاف اور ظلم ونا انصافی کے آئینہ دار ہیں کیوں کہ ایک طرف تو یہ سرمائے کے پھیلاؤ میں رکاوٹ ہیں اور دوسری طرف ان کی وجہ سے بعض ورثاء اپنے حصے سے محروم رہتے ہیں جبکہ اسلام کی نگاہ میں انسان کو اپنی پسند و ناپسند کے تحت جائیداد کی تقسیم کا قطعاً اختیار حاصل نہیں ہے بلکہ یہ فیصلہ خود اللہ تعالیٰ نے کیا ہے کہ اس کی موت کے بعد کون اس کا وارث ہوگا اور کون نہیں ہوگا۔

اسلامی قانونِ وراثت میں میّت کی متروکہ جائیداد میں درجہ بدرجہ تمام ورثاء، خواہ وہ مرد ہو یا عورت بچہ ہو یا بوڑھا سب کو حسب حق حصہ دار تسلیم کیا گیا ہے تاکہ اپنے کفیل کی وفات کے بعد وہ دوسروں کے محتاج نہ ہو اور ساتھ ہی مُوَرِّث کو بھی یہ اجازت دی گئی ہے کہ وہ زندگی میں اپنے مال کے تیسرے حصے تک ان رشتہ داروں کے حق میں جو وارث نہ بنتے ہوں یا کسی دینی اور رفاہی ادارے پر خرچ کرنے کی وصیت کر جائے۔ چنانچہ حضرت سعد بن ابی وقاص بیان کرتے ہیں کہ میں حجۃ الوداع کے موقع پر مکہ مکرمہ میں بیمار ہو گیا تو نبی ﷺ میری بیمار پرسی کے لئے تشریف لائے۔ اس موقع پر

میں نے آپ سے دریافت کیا:

"لِي مَالٌ أُوصِي بِمَالِي كُلِّهِ قَالَ لَا قُلْتُ فَالشَّطْرُ قَالَ لَا قُلْتُ فَالثُّلُثُ قَالَ الثُّلُثُ وَالثُّلُثُ كَثِيرٌ أَنْ تَدَعَ وَرَثَتَكَ أَغْنِيَاءَ خَيْرٌ مِنْ أَنْ تَدَعَهُمْ عَالَةً يَتَكَفَّفُونَ النَّاسَ فِي أَيْدِيهِمْ"

(صحیح البخاری، باب فَضْلِ النَّفَقَةِ عَلَى الأَهْلِ)

''میں مالدار ہوں کیا میں اپنے تمام مال کی وصیت کرسکتا ہوں؟ آپ نے فرمایانہیں۔ میں نے عرض کیا آدھے مال کی وصیت کرسکتا ہوں؟ آپ نے فرمایانہیں۔ میں نے تیسرے حصے کے بارے میں پوچھا، آپ نے فرمایا: ہاں تیسرے حصے کی اجازت ہے اگرچہ یہ بھی زیادہ ہے۔ تم اپنے پیچھے اپنے ورثاء کو مالدار چھوڑ کر جاؤ، یہ اس سے بہتر ہے کہ تم انہیں تنگدست چھوڑ کر جاؤ ،وہ لوگوں کے سامنے ہاتھ پھیلاتے پھریں۔''

اس سے یہ بات بالکل واضح ہے کہ قرآن کا پیش کردہ نظام وراثت منفرد حیثیت کا حامل ہے جس میں معاشرے کے وسیع تر مفاد اور اصولِ عدل کو ملحوظ رکھتے ہوئے فرد کے حق ملکیت کا خیال رکھا گیا ہے۔

مرد اور عورت کے حصّے میں فرق

اسلامی نظامِ وراثت کی خوبی یہ ہے کہ وہ کمزور سے کمزور طبقے تک بھی ان کا حق پہنچاتا ہے۔ انہی طبقات میں سے ایک طبقہ عورتوں کا ہے جنہیں ہر دور میں وراثت سے محروم رکھا گیا اور اب بھی رکھا جا رہا ہے مگر اسلام نے عورت کو معاشرے میں ایک باعزت مقام عطا فرمایا ہے۔ اسے تمام بنیادی حقوق دیئے ہیں، عصمت کا تحفظ دینے کے ساتھ ساتھ وراثت میں بھی حصہ دار قرار دیا ہے مگر بدقسمتی سے ہندو معاشرے، کلچر اور تہذیب کے زیرِ اثر صدیاں گزارنے کی وجہ سے آج بھی ہمارے معاشرے میں عورت کو اس کے جائز حق سے محروم رکھا جاتا ہے۔ بعض نماز روزہ کے پابند گھرانے

بھی یہ کہہ کر بہنوں کو باپ کی وراثت سے حصہ نہیں دیتے کہ ہم نے ان کی شادی کی ہے اور انہیں بھاری بھر کم جہیز دیا۔ یاد رکھیں کہ یہ دونوں کام یعنی بچیوں کی شادی کروانا اور انہیں وراثت سے حصہ دینا مستقل شرعی ذمہ داریاں ہیں۔ ایک کی بجا آوری سے دوسری سے بری الذمہ نہیں ہوا جا سکتا۔

زمانہ جاہلیت میں بھی خواتین کو وراثت سے محروم رکھا جاتا تھا قرآن نے اس سماجی رسم کو توڑتے ہوئے اعلان فرمایا:

{ لِلرِّجَالِ نَصِيبٌ مِّمَّا تَرَكَ الْوَالِدَانِ وَالْأَقْرَبُونَ وَلِلنِّسَاءِ نَصِيبٌ مِّمَّا تَرَكَ الْوَالِدَانِ وَالْأَقْرَبُونَ مِمَّا قَلَّ مِنْهُ أَوْ كَثُرَ نَصِيبًا مَّفْرُوضًا ۝ }

(النساء:۷)

''والدین اور قریبی رشتہ دار جو بھی چھوڑ جائیں اس میں مردوں کے لیے بھی حصہ اور عورتوں کا بھی اس میں سے حصہ ہے جو والدین اور قریبی رشتہ دار چھوڑ جائیں خواہ وہ تھوڑا ہو یا زیادہ۔''

ہاں اگر کوئی بیٹی یا بہن کسی دباؤ کے بغیر اپنی خوشی سے اپنا حصہ چھوڑ دے تو اسے حق حاصل ہے مگر یہ بات دوسروں کے لیے مثال نہیں بنی چاہیے۔ ضرورت اس امر کی ہے کہ عورت کو اسلامی تعلیمات کے مطابق اس کے جائز حقوق دلانے میں ریاست اپنا کردار ادا کرے اور معاشرے میں عورتوں کے حقوق کے حوالے سے شعور و آگاہی پیدا کی جائے۔ اللہ تعالیٰ ہمیں دوسروں کے حقوق اچھے طریقے سے ادا کرنے کی توفیق عطا فرمائے اور ایک دوسرے پر ظلم و زیادتی سے محفوظ رکھے۔

اسلام میں مختلف صورتوں میں عورت کے حصہ میں کمی بیشی تو رکھی ہے لیکن اسے وراثت سے بالکل محروم نہیں کیا ان اصلاحات کو قدر کی نگاہ سے دیکھا جانا چاہئے مگر یورپی لٹریچر پڑھنے والے مغرب زدہ دانشور جو اپنے ایجنڈے کے تحت اسلامی تعلیمات کو نشانہ بنانے کی کوشش میں رہتے ہیں، ان کی طرف سے

اسلام کے قانونِ وراثت میں عورت کے حصے کو یوں پیش کیا جاتا ہے کہ گویا عورت کو ایک کم تر مخلوق سمجھ کر مرد سے کم حصہ دیا گیا ہے۔

حالانکہ اگر وہ بغیر کسی تعصب کے اس مسئلہ کو سمجھنے کی کوشش کریں تو بلاتردّد یہ تسلیم کریں گے کہ اسلام میں وراثت کی یہ تقسیم جنس کی بنیاد پر نہیں بلکہ مخصوص معاشی اور معاشرتی ذمہ داریوں کی بنیاد پر ہے۔اور یہ تقسیم عین عدل وانصاف کا تقاضا ہے۔وہ اس طرح کہ اسلام میں خاندان کی کفالت کی ذمہ داری مرد پر ہے،عورت کو اس ذمہ داری سے مستثنیٰ رکھا گیا ہے کیوں کہ عورت کی فطری ساخت اور تربیتِ اولاد کی ذمہ داری کا تقاضا ہے کہ اس پر یہ بوجھ نہ ڈالا جائے۔شادی سے پہلے اس کی کفالت باپ اور اگر باپ نہ ہوتو بھائیوں کی ذمے داری ہے۔شادی کے بعد اس کی رہائش،لباس،خوراک وغیرہ اور اس کے بچوں کی تعلیم وتربیت کے اخراجات اس کے خاوند کا فرض ہے۔جب شریعت نے معاشی ذمہ داریوں کا سارا بوجھ مرد پر ڈالا ہے اور عورت کو اس سے سبکدوش رکھا ہے تو انصاف کا تقاضا یہ ہے کہ وراثت میں عورت کا حصہ مرد سے کم رکھا جائے۔

مزید یہ کہ عورت کو شادی کے موقع پر مہر لینے اور شوہر کی وفات کی صورت میں اس کی میراث سے حصہ پانے کا موقع بھی ملتا ہے لیکن اس کے برعکس مرد نے اپنی بیوی کو مہر دینا ہی ہوتا ہے اور اگر اس کی بیوی اپنے والد کی میراث سے حصہ لے گی تو وہ اپنے بھائی کا نصف ہی لے گی،اس لئے معاشرے میں توازن برقرار رکھنے کے لئے ضروری تھا کہ عورت کے مقابلے میں مرد کا حصہ دوگنا ہو۔اس کو ایک مثال کے ذریعے یوں سمجھئے۔

''ایک شخص اپنے پیچھے ایک بیٹا،ایک بیٹی اور تین لاکھ روپیہ ترکہ چھوڑتا ہے اس میں دو لاکھ بیٹے کو اور ایک لاکھ بیٹی کو ملے گا۔جب دونوں کی شادی ہوگی تو بھائی کو نہ صرف بہن کی شادی پر خرچ کرنا ہوگا بلکہ اس کے ذمہ اپنی بیوی کو مہر دینا بھی ہوگا جو دو لاکھ بھی ہوسکتا ہے جبکہ بیٹی نے مہر لینا ہے جو ممکن ہے دو لاکھ سے بھی زائد ہو۔پھر

بیٹے کے ذمہ بیوی، بچوں کے اخراجات بھی ہیں لیکن بیٹی اور اس کے بچوں کے اخراجات اس کے شوہر کے ذمہ ہیں، یوں بیٹی کم حصہ لینے کے باوجود فائدے میں رہی اور بیٹا دگنا حصہ لے کر بھی خسارے میں رہا۔''

ذمہ داریوں کی اس تقسیم کو جاننے کے بعد ایک معمولی عقل رکھنے والا شخص بھی یہ بات سمجھ سکتا ہے کہ عورت کے مقابلے میں مرد کا حصہ دوگنا رکھنا عدل وانصاف پر مبنی ہے۔

بلاشبہ عام حالات میں عورت مرد کی نسبت آدھا حصہ لیتی ہے مگر یہ ہمیشہ نہیں ہوتا۔ بعض صورتوں میں عورت کو مرد کے بالکل مساوی حصہ بھی ملتا ہے مثلاً

① ماں شریک بہن، بھائی جن کو اصطلاح میں اَخیافی بہن بھائی کہا جاتا ہے یعنی وہ بہن بھائی جن کی ماں ایک ہو اور باپ الگ الگ ہوں اس بہن کو اپنے اخیافی بھائی کی میراث سے حصہ ملتا ہے تو اس میں بلاتفریق مرد اور عورت سب کا حصہ برابر ہوتا ہے جیسا کہ قرآن پاک میں ہے:

{اِنْ كَانَ رَجُلٌ يُّوْرَثُ كَلٰلَةً اَوِ امْرَاَةٌ وَّ لَهٗۤ اَخٌ اَوْ اُخْتٌ فَلِكُلِّ وَاحِدٍ مِّنْهُمَا السُّدُسُ ۚ فَاِنْ كَانُوْۤا اَكْثَرَ مِنْ ذٰلِكَ فَهُمْ شُرَكَآءُ فِي الثُّلُثِ}

(النساء ۱۲)

''اور اگر وہ مرد یا عورت جس کی میراث تقسیم ہونی ہے کلالہ ہو اور اس کا ایک بھائی یا ایک بہن زندہ ہو تو ان میں سے ہر ایک چھٹے حصے کا حق دار ہے اور اگر وہ اس سے زیادہ ہوں تو وہ سب ایک تہائی میں شریک ہوں گے۔''

کلالہ وہ شخص ہے جس کی وفات کے وقت اس کا باپ، دادا یا بیٹا، بیٹی اور پوتا، پوتی زندہ نہ ہوں جبکہ بہن بھائیوں سے مراد یہاں اخیافی بہن، بھائی ہیں کیونکہ سگے اور سوتیلے بہن بھائیوں کا حصہ سورۂ نساء کی آخری آیت میں بیان کیا گیا ہے۔

② اسی طرح میت کی اولاد کی موجودگی میں ماں، باپ دونوں کو برابر چھٹا چھٹا حصہ ملتا ہے۔ ارشاد ربانی ہے:

{ وَلِأَبَوَيْهِ لِكُلِّ وَاحِدٍ مِّنْهُمَا السُّدُسُ مِمَّا تَرَكَ إِنْ كَانَ لَهُ وَلَدٌ }
(النساء:۱۱)

''اور میّت کے ماں، باپ میں سے ہر ایک کے لئے اس کے چھوڑے ہوئے مال کا چھٹا حصہ ہے اگر اس میّت کی اولاد ہو۔''

③ اگر ورثاء میں ایک بیٹی اور ایک پوتا ہو تو اس صورت میں بھی جائیداد مرد وزن دونوں کے درمیان آدھی آدھی تقسیم ہوگی۔

اور بعض حالات میں عورت کا حصہ مرد سے زائد بھی ہو سکتا ہے مثلاً

① ورثاء میں ایک بیوی، بیٹی، ماں، باپ اور پوتا ہو تو بیٹی کو ترکہ کا نصف $\left(\frac{1}{2}\right)$، ماں باپ کو چھٹا چھٹا، بیوی کو آٹھواں حصہ جبکہ باقی پوتے کو ملے گا جو کہ بیٹی کے حصے سے کم ہے۔ چنانچہ علمِ میراث کے قوانین کی رو سے متوفّی کی منقولہ وغیر منقولہ جائیداد کے چوبیس حصے کیے جائیں گے۔ ان میں سے آٹھواں یعنی تین حصے بیوہ، بارہ حصے بیٹی، چار چار حصے ماں، باپ اور باقی ایک حصہ پوتے کو ملے گا۔

② اسی طرح اگر میّت کی ماں، شوہر، بیٹی اور بھائی ہوں تو بیٹی کا حصہ بھائی کو ملنے والے حصے سے زائد ہوگا۔ یہاں جائیداد کے بارہ حصے کیے جائیں گے۔ ان میں سے دو حصے والدہ، تین حصے شوہر، چھ حصے بیٹی اور باقی ایک حصہ بھائی کو دیا جائے گا۔

جبکہ بعض اوقات میّت کے ساتھ دونوں کے رشتہ کی نوعیت اور حیثیت یکساں ہونے کے باوجود عورت وارث قرار پاتی ہے لیکن مرد یکسر محروم رہتا ہے جیسا کہ میّت کی والدہ کی عدم موجودگی میں اس کی نانی کو حصہ ملتا ہے لیکن نانا محروم رہتا ہے۔

یہاں یہ نکتہ بھی قابل غور ہے کہ وراثت کی تقسیم میں قرآن نے بنیادی اکائی عورت کے حصے کو بنایا ہے اور مرد کو اس کا دوگنا دیا ہے۔ گویا اصل اہمیت عورت کے حصے کی ہے جس کو بنیاد بنا کر مرد کو حصہ دیا جائے گا۔ یہ بات بذاتِ خود عورت کی حیثیت کو بلند کرتی ہے۔

اسلامی قانونِ وراثت کی بنیادیں

زمانہ جاہلیت میں وراثت کی بنیاد تین چیزیں تھیں۔

① نسب: جس کی بنا پر صرف جوان بیٹا وراثت کا حق دار سمجھا جاتا تھا، بیوہ، نابالغ بچوں اور بیٹیوں کو کچھ نہیں ملتا تھا کیونکہ وہ لوگ یہ سمجھتے تھے کہ باپ کی وراثت کا حقدار صرف وہ ہے جو جنگ میں حصہ لینے کے قابل ہو۔ عورتیں اور چھوٹے بچے چونکہ اس معیار پر پورا نہیں اترتے تھے اس لئے وہ محروم رہتے تھے۔

② زمانہ جاہلیت میں وراثت کا دوسرا سبب تَبَنِّیَت (Adoption) تھا یعنی جس کو وہ منہ بولا بیٹا بنا لیتے اسے وراثت سے حصہ بھی دیتے تھے جیسا کہ آج بھی گود لئے گئے بچے کو حقیقی بیٹوں کی طرح وراثت سے حصہ دینے کا رواج ہے جو کہ شرعی لحاظ سے بالکل غلط ہے۔ ہاں لے پالک بچے کے حق میں مال کے تیسرے حصے تک وصیّت کی جاسکتی ہے جس کا وہ حقدار ہوگا لیکن باقاعدہ وارث بنانا ٹھیک نہیں۔

③ اس دور میں وراثت کی تیسری بنیاد حِلَف تھا یعنی دو شخص آپس میں حلفیہ دوستی قائم کر لیتے تھے جس کی بنا پر وہ ایک دوسرے کی وراثت کے مستحق سمجھے جاتے تھے لیکن جب قرآن نازل ہوا تو اللہ تعالیٰ نے تَبَنِّیَت اور حِلَف کو اسبابِ وراثت سے نکال دیا اور ان کی جگہ ازدواجی تعلق اور ولاء کو وراثت کی بنیاد قرار دیا۔ یعنی اسلام کے نزدیک بھی وراثت کی بنیاد صرف تین چیزیں ہیں جن کی ترتیب یوں ہے۔

۱۔ نسب ۲۔ ازدواجی تعلق ۳۔ وَلاء

نسب: نسب سے مراد خون کا رشتہ ہے۔ خونی رشتہ داروں کی تین قسمیں ہیں۔

① فروع: اس سے مراد ہے بیٹا، بیٹی، پوتا اور پوتی نیچے تک۔ اسی طرح نواسے اور نواسیاں بھی نیچے تک۔

② اصول: اس کا مطلب ہے والد، والدہ، دادا، دادی، پردادا، پردادی، نانا، نانی

اور پڑنانا، پڑنانی۔

③ حواشی: حواشی میں بہن، بھائی اور بھائی کے بیٹے نیچے تک، چچا اور ان کے بیٹے نیچے تک شامل ہیں۔

نسب کا قانون یہ ہے کہ جو رشتہ دار میّت کے زیادہ قریب ہو، وراثت میں اس کو ترجیح دی جائے گی۔ اس کی موجودگی میں دور کا رشتہ دار محروم رہے گا۔ چنانچہ قرآن پاک نے وراثت کے متعلق دورِ جاہلیت کے دستور کی نفی کرتے ہوئے ارشاد فرمایا:

{ لِلرِّجَالِ نَصِيبٌ مِّمَّا تَرَكَ الْوَالِدَانِ وَالْأَقْرَبُونَ وَلِلنِّسَاءِ نَصِيبٌ مِّمَّا تَرَكَ الْوَالِدَانِ وَالْأَقْرَبُونَ مِمَّا قَلَّ مِنْهُ أَوْ كَثُرَ ۚ نَصِيبًا مَّفْرُوضًا ۝ }

(النساء:۷)

''مردوں کے لئے بھی حصہ ہے اس مال میں جو ماں باپ اور قریبی رشتہ دار چھوڑ جائیں اور عورتوں کے لئے بھی حصہ ہے اس مال میں جو ماں باپ اور قریبی رشتہ دار چھوڑ جائیں، خواہ مال کم ہو یا زیادہ، اس میں ہر ایک کا حصہ مقرر ہے۔''

یتیم پوتے کا حصہ

یہی وجہ ہے کہ جب میّت کا کوئی صُلبی بیٹا حیات ہو تو اسلامی قانونِ وراثت کے تحت اس کے پوتے کو حصہ نہیں ملتا، خواہ اس کا باپ زندہ ہو یا وفات پا چکا ہو، کیونکہ صُلبی بیٹے اور پوتے میں سے صلبی بیٹا میت کے زیادہ قریب ہے۔ چنانچہ علمِ میراث کے ماہر مشہور صحابی رسول حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ کا فرمان ہے:

"وَلَا يَرِثُ وَلَدُ الِابْنِ مَعَ الِابْنِ" (صحیح البخاری، کتاب الفرائض، باب میراثِ ابنِ الابنِ، إذا لم یکنِ ابنٌ)

''بیٹے کی موجودگی میں پوتا وارث نہیں ہوگا۔''

یہ صرف حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ کی رائے نہیں بلکہ تمام صحابہ کرام، مجتہدین عظام اور فقہائے امت کا بھی یہی موقف ہے کہ میّت کے حقیقی بیٹے کی موجودگی میں اس

کے پوتوں کو حصہ نہیں ملے گا۔

البتہ یتیموں کی کفالت اور ان کی تعلیم و تربیت کے اخراجات کا شریعت نے یہ حل پیش کیا ہے کہ دادا اپنی زندگی میں اپنے مال کے تیسرے حصے تک کی ان کے حق میں وصیّت کر سکتا ہے۔

اگر ناگہانی موت یا کسی دوسری وجہ سے دادے کو وصیت کا موقع نہ مل سکے اور یتیم پوتے پوتیوں کا کوئی ذریعہ آمدن بھی نہ ہو تو جب تک وہ بالغ نہ ہو جائیں ان کی کفالت اور انہیں ضروریات زندگی فراہم کرنے کی ذمہ داری چچاؤں اور دیگر رشتہ داروں پر عائد ہوتی ہے جوان بچوں کی وفات کی صورت میں ان کے شرعی وارث بن سکتے ہیں بشرطیکہ وہ معاشی اعتبار سے یہ ذمہ داری اٹھانے کے قابل ہوں لیکن اگر وہ رشتہ دار خود معاشی مسائل کا شکار ہوں تو یہ ذمہ داری حکومت وقت پر عائد ہوتی ہے۔ چنانچہ صحیح بخاری میں نبی اکرم ﷺ کا فرمان موجود ہے:

"فَأَيُّمَا مُؤْمِنٍ مَاتَ وَتَرَكَ مَالاً فَلْيَرِثْهُ عَصَبَتُهُ مَنْ كَانُوا وَمَنْ تَرَكَ دَيْنًا أَوْ ضَيَاعًا فَلْيَأْتِنِي فَأَنَا مَوْلَاهُ"

(صحیح البخاری باب الصَّلاةِ عَلَى مَنْ تَرَكَ دَيْنًا)

"جو مومن مال چھوڑ کر فوت ہو تو وہ اس کے ورثاء کے لئے ہے اور جو قرض یا نادار بچے چھوڑ جائے وہ میرے پاس آجائیں میں ان کا سرپرست ہوں۔"

یہ حکم آپ نے اسلامی ریاست کے سربراہ کی حیثیت سے دیا تھا۔ جب شریعت نے یتیموں کو بے یار و مددگار نہیں چھوڑا بلکہ ان کی کفالت اور بہبود کا بہترین حل پیش کیا ہے تو پھر اس حوالے سے نام نہاد روشن خیال دانشوروں کا گلہ بے مقصد ہے۔

اگر کسی جگہ شریعت کے بتائے ہوئے حل پر عمل نہیں ہو رہا تو اس میں اسلامی نظامِ وراثت ذمہ دار نہیں۔

یہ نکتہ بھی قابل توجہ ہے کہ ضروری نہیں ہر دادا وفات کے وقت لازمی طور پر کچھ

جائیداد چھوڑ کر جائے بلکہ اکثر و بیشتر دادا وفات کے وقت اپنے بیٹوں کا محتاج ہوتا ہے لہٰذا یہ فرض کر لینا کہ اگر یتیم پوتوں اور پوتیوں کو دادا کا قانونی وارث قرار دے دیا جائے تو ان کی کفالت کا مسئلہ حل ہو جائے گا کوتاہ نظری ہے۔

ازدواجی تعلق

اسلام کے نزدیک دوسری بنیاد جس پر حقِ وراثت قائم ہوتا ہے وہ میاں بیوی کا رشتہ ہے۔ میاں بیوی کے رشتے سے ہی نسبی رشتے وجود میں آتے ہیں جن سے ایک نیا خاندان تشکیل پاتا ہے۔ اسلام کی نگاہ میں چونکہ میاں بیوی کا رشتہ بڑا محترم اور مقدّس ہے اس لئے وراثت کے لیے محض عقد نکاح ہی کافی ہے، رخصتی اور دونوں کے درمیان جنسی تعلقات قائم ہونا ضروری نہیں ہے۔ اس لئے اگر کسی عورت کا خاوند نکاح کے بعد رخصتی اور ازدواجی تعلق سے پہلے فوت ہو جائے تو اس کو خاوند کی میراث سے بحیثیت بیوی حصہ ملے گا۔ حضرتِ عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے ایک شخص کے بارے میں پوچھا گیا، جس نے کسی عورت سے نکاح کیا لیکن ابھی تک نہ مہر متعین ہوا اور نہ ہی خلوت ہوئی اور وہ فوت ہو گیا انہوں نے فرمایا:

"لَهَا مِثْلُ صَدَاقِ نِسَائِهَا لَا وَكْسَ وَلَا شَطَطَ وَعَلَيْهَا الْعِدَّةُ وَلَهَا الْمِيرَاثُ فَقَامَ مَعْقِلُ بْنُ سِنَانٍ الْأَشْجَعِيُّ فَقَالَ قَضَى رَسُولُ اللهِ ﷺ فِي بِرْوَعَ بِنْتِ وَاشِقٍ امْرَأَةٍ مِنَّا مِثْلَ الَّذِي قَضَيْتَ" (سنن الترمذی، باب مَا جَاءَ فِي الرَّجُلِ يَتَزَوَّجُ المَرْأَةَ فَيَمُوتُ عَنهَا قَبلَ أَنْ يَفرِضَ لَهَا)

"اس عورت کو اس کے خاندان کی عورتوں کی مانند حق مہر ملے گا، نہ کم نہ زائد۔ اس کے ذمّے عدّت بھی ہے اور اس کو میراث بھی ملے گی۔ اس موقع پر حضرت معقل بن سنان اشجعی رضی اللہ عنہ نے کھڑے ہو کر کہا کہ ہمارے قبیلے کی ایک عورت بِرْوَع بنت واشق کے بارے میں اللہ کے رسول ﷺ نے بھی ایسا ہی فیصلہ کیا تھا۔"

اگر ازدواجی تعلق قائم ہونے سے قبل بیوی وفات پا جائے تو شوہر کو بھی اس کی میراث سے حصہ ملے گا۔ یہی حکم اسوقت ہے جب کسی شوہر نے بحالتِ صحت اپنی بیوی کو طلاقِ رجعی دی اور ابھی وہ عورت عدت ہی میں تھی کہ اس کے خاوند کا انتقال ہو گیا وہ عورت اپنے خاوند کی وارث ہوگی۔ کیونکہ طلاقِ رجعی میں عدت پوری ہونے تک نکاح قائم رہتا ہے۔

وَلاء

اسلامی قانونِ وراثت کی تیسری بنیاد وَلاء ہے۔ جس کا معنی ہے غلام کو آزاد کرنے کی نسبت۔ آزاد کرنے والے کو اس تعلق کا ایک فائدہ یہ پہنچتا ہے کہ اگر آزاد کردہ غلام کی موت کے بعد اس کا کوئی نسبی وارث موجود نہ ہو تو اس کی میراث آزاد کرنے والے کو ملتی ہے۔ اسلامی نقطۂ نظر سے ولاء بھی نسبی تعلق کی مانند ہے۔ فرمانِ نبوی ہے:

"الولاء لحمة كلحمة النسب لا تباع ولا توهب"

(المستدرک للحاکم: کتاب الفرائض)

"ولاء نسبی تعلق کی طرح ہے جس کو نہ بیچا جا سکتا اور نہ ہبہ کیا جا سکتا ہے۔"

زمانہ جاہلیت میں ولاء کی خرید و فروخت بھی ہوتی تھی مگر اسلام نے اس سے منع فرمادیا جیسا کہ حضرتِ عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے مروی ہے:

"نَهي رَسُولُ اللهِ ﷺ عَنْ بَيْعِ الْوَلَاءِ وَعَنْ هِبَتِهِ"

(صحیح البخاری: باب بیع الولاء)

"اللہ کے رسول ﷺ نے ولاء کی بیع سے منع فرمایا ہے۔"

دوسری جگہ فرمایا:

"إِنَّمَا الْوَلَاءُ لِمَنْ أَعْتَقَ"

(صحیح البخاری: باب البیع والشراء مع النساء)

"ولاء اسی کے لئے ہے جو آزاد کرے گا۔"

اور اگر آزاد کرنے والا خود زندہ نہ ہو تو اس کے بیٹے، باپ، بھائی اور چچا وغیرہ

وارث ہوں گے۔

عصر حاضر میں چونکہ ولاء کا تعلق ناممکن ہے کیوں کہ ملکی اور بین الاقوامی قوانین کے تحت کسی کو غلام یا لونڈی بنانا ممنوع ہے لہٰذا اس مسئلہ کی تفصیلات جاننا ضروری نہیں۔ دور حاضر کے جنگی قیدی، خرکار کیمپوں میں محبوس، مفتوحہ علاقوں کے شہری، گھریلو ملازم اور خادمین غلاموں کے زمرے میں نہیں آتے بلکہ ان کے احکام عام آزاد مسلمانوں جیسے ہیں۔ غلام اور لونڈیوں سے مراد کفّار کے صرف وہ مرد اور خواتین ہیں جو شرعی جہاد میں گرفتار ہو کر مسلمانوں کے قبضہ میں آئیں اور حکومت کی طرف سے لوگوں میں تقسیم کر دیئے جائیں۔

مذکورہ تعلّقات کو اسباب وراثت قرار دینے میں حکمت یہ ہے کہ وراثت درحقیقت میّت کے مال میں جانشینی کا نام ہے کہ ایک شخص جانشین ہونے کے ناتے دوسرے کی جائیداد کا مالک بنتا ہے۔ ظاہر ہے کسی شخص کی وفات کے بعد وہی لوگ اس کے قائم مقام ہو سکتے ہیں جن کا وجود میّت کے وجود یا میّت کا وجود ان کے وجود کا ہی تسلسل ہو جیسے والدین اور اولاد ہیں یا متوفی ان کو دوسروں کے مقابلے میں ترجیح دیتا ہو جیسا کہ میت کے بہن، بھائی ہیں یا ان کا باہمی تعلق شریک حیات کا ہو جیسے میاں بیوی ہیں جو نکاح کے ذریعے ایک دوسرے کے شریک حیات بنتے ہیں یا وہ شخص جو متوفی کی زندگی میں اس کے مال ومتاع کا قانونی مالک رہا ہو جیسے آزاد کیے گئے غلام کا سابق مالک ہے۔ غلامی کے دور میں غلام کے پاس جو کچھ تھا وہ حقیقت میں اس کے مالک کی ہی ملکیت تھا۔

موانع وراثت (وراثت کی راہ میں حائل رکاوٹیں)

انسان کی موت کے بعد اس کی جائیداد کو تقسیم کرنے کا طریقہ کار خود اللہ تعالیٰ کا وضع کردہ ہے جس میں کسی کو ترمیم و اضافہ کا حق حاصل نہیں ہے اسی لئے اسلامی قانونِ وراثت کے مطابق کسی وارث کو بلا وجہ شرعی وراثت سے محروم نہیں کیا جا سکتا۔ ماہرینِ وراثت نے ان وجوہات کا بڑی تفصیل سے ذکر کیا ہے جو وراثت سے محرومی کا باعث بنتی ہیں۔ شرعی اصطلاح میں ان وجوہات کو موانع وراثت یعنی وراثت کی راہ میں حائل رکاوٹیں کہا جاتا ہے۔ یہ رکاوٹیں درج ذیل ہیں۔

۱۔ اختلاف دین: مثلاً باپ کافر ہے اور بیٹا مسلمان۔

حضرتِ اسامہ بن زید رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

"لَا يَرِثُ الْمُسْلِمُ الْكَافِرَ وَلَا الْكَافِرُ الْمُسْلِمَ"

(صحیح البخاری: باب لا یرث المسلم)

"مسلمان کافر اور کافر مسلمان کا وارث نہیں ہوگا۔"

۲۔ قتلِ مورّث: (وہ میت جس کی وراثت تقسیم کی جارہی ہے۔) جیسے کوئی بد بخت بیٹا اپنے باپ کو قتل کر دے۔ فرمانِ نبوی ہے:

"لَيْسَ لِقَاتِلٍ مِيرَاثٌ" (سنن ابن ماجه: باب القاتل لا يرث)

"کہ قاتل کے لئے میراث میں سے کچھ نہیں ہے۔"

ایک اور حدیث میں فرمایا:

"وَلَا يَرِثُ الْقَاتِلُ شَيْئًا" (سنن ابی داؤد: دیات الاعضاء)

"قاتل مقتول کی کسی چیز کا وارث نہیں ہوگا۔"

ہاں اگر کسی مسلمان میت کا کوئی غیر مسلم رشتہ دار تقسیم میراث سے قبل اسلام قبول کر

لے تو وہ دوسرے ورثاء کے ساتھ وراثت میں شریک ہوگا۔ چنانچہ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

"كُلُّ قَسْمٍ قُسِمَ فِي الْجَاهِلِيَّةِ فَهُوَ عَلَى مَا قُسِمَ لَهُ وَكُلُّ قَسْمٍ أَدْرَكَهُ الإِسْلاَمُ فَهُوَ عَلَى قَسْمِ الإِسْلاَمِ"

(سنن ابی داؤد: الفرائض، باب فیمن اسلم علی میراث)

''جو میراث جاہلیت میں تقسیم ہوگئی وہ برقرار رہے گی لیکن جو اسلام قبول کرنے کے بعد تقسیم ہوگی وہ اسلام کے مطابق ہوگی۔''

دوسرے موقع پر فرمایا:

"من أسلم على شئ فهو له" (ارواء الغليل: ج ٦ ص ١٥٦)

''جو کسی چیز پر مسلمان ہو وہ اس کا حق ہے۔''

حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے دور میں ایک شخص نے اپنے مورّث کی وفات کے بعد تقسیم وراثت سے قبل اسلام قبول کر لیا تو حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے اس کو حصہ دلایا۔

(ارواء الغليل ٦، ١٥٨)

بعض صحابہ وتابعین جیسے حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ، حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ، حسن بصری رحمہ اللہ، محمد بن حنفیہ رحمہ اللہ اور بعض دیگر حضرات کے نزدیک کافر مسلمان کا وارث نہیں ہو سکتا لیکن مسلمان کافر کا وارث ہوگا۔ ان کا استدلال اس حدیث سے ہے:

"الإِسْلاَمُ يَعْلُو وَلاَ يُعْلَى" (سنن الدار قطنی)

''اسلام برتر رہتا ہے، اس پر کسی دین کو برتری حاصل نہیں ہوتی۔''

مسلمان کا غیر مسلم کی وراثت حاصل کرنا بھی ایک قسم کی برتری ہے لہٰذا مسلمان کافر کا وارث ہو سکتا ہے۔ (الموسوعة الفقهية: ج ٣، ص ٢٥)

جن حضرات کی رائے میں جس طرح غیر مسلم مسلمان کا وارث نہیں ہو سکتا اسی طرح مسلمان غیر مسلم کا وارث بھی نہیں بن سکتا وہ اس حدیث کا جواب دیتے ہیں کہ

اس کا تعلق وراثت کے ساتھ نہیں بلکہ اس کا مقصد دوسرے ادیان کے مقابلہ میں اسلام کی عظمت و رفعت بیان کرنا ہے۔

غلامی: وراثت کی راہ میں تیسری رکاوٹ غلامی ہے۔ غلام کے پاس جو کچھ بھی ہوتا ہے وہ درحقیقت اس کے مالک کی ملکیت ہوتا ہے اس کا اپنا نہیں ہوتا اس لیے غلام بھی وارث نہیں بن سکتا، لیکن جیسا کہ پیچھے بیان ہوا دورِ حاضر میں غلامی کا رواج ختم ہو چکا ہے اس لئے اس کی تفصیلات میں جانے کی ضرورت نہیں۔

بعض علماء کے نزدیک زنا اور لعان بھی موانع وراثت میں شامل ہیں یعنی بدکاری کے نتیجے میں پیدا ہونے والا بچہ زانی باپ اور جس بچے کے والدین میں لعان کے ذریعے علیحدگی ہو چکی ہو اور شوہر نے اس بچے کو اپنا بچہ تسلیم کرنے سے انکار کر دیا ہو وہ اپنے باپ کا وارث نہیں ہوگا لیکن صحیح بات یہ ہے کہ ان کو موانع میں شمار کرنے کی ضرورت نہیں ہے کیوں کہ یہاں شرعی طریقے سے نسب ہی ثابت نہیں ہوتا۔ البتہ ایسے بچے اپنی ماؤں کے وارث ہوں گے۔

عاق نامہ کی شرعی حیثیت

ان صورتوں کے علاوہ کوئی اور ایسی صورت نہیں ہے جس میں کسی وارث کو اس کے شرعی حصے سے محروم رکھا جا سکے۔ بعض لوگ اخبارات میں اشتہارات دیتے ہیں کہ میں نے بوجہ نافرمانی اپنے فلاں بیٹے یا بیٹی کو اپنی منقولہ وغیر منقولہ جائیداد سے عاق کر دیا ہے۔ یہ اشتہارات اللہ تعالیٰ کے وضع کردہ ضابطہ میراث کی کھلی نافرمانی ہے۔ ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

{ لِلرِّجَالِ نَصِيبٌ مِّمَّا تَرَكَ الْوَالِدَانِ وَالْأَقْرَبُونَ وَلِلنِّسَاءِ نَصِيبٌ مِّمَّا تَرَكَ الْوَالِدَانِ وَالْأَقْرَبُونَ مِمَّا قَلَّ مِنْهُ أَوْ كَثُرَ نَصِيبًا مَّفْرُوضًا ۝ }

(النساء:۷)

''مردوں کے لئے اس مال میں حصہ ہے جو ماں باپ اور رشتہ داروں نے چھوڑا ہے اور عورتوں کے لئے بھی اس مال میں حصہ ہے جو ماں باپ اور رشتہ داروں نے چھوڑا ہو، خواہ وہ مال کم ہو یا زیادہ اور یہ حصہ اللہ کی طرف سے مقرر ہے۔''

رسول اللہ ﷺ کا ارشادِ گرامی ہے:

"مَنْ قَطَعَ مِيرَاثَ وَارِثِهِ قَطَعَ اللّٰهُ مِيرَاثَه مِنَ الْجَنَّةِ يَوْمَ الْقِيَامَةِ" (مشکوٰۃ المصابیح)

''جو اپنے وراث کو وراثت سے محروم کرے گا اللہ تعالیٰ قیامت کے دن اسے جنت کی وراثت سے محروم کرے گا۔''

مختصر یہ کہ بیٹا اگر نافرمان ہے تو اللہ کے ہاں سزا پائے گا لیکن والد کو حق نہیں کہ اسے جائیداد سے محروم کرے۔ بعض محض ڈرانے کے لئے ایسا کرتے ہیں لیکن ایسا کرنا بھی کئی ایک قباحتوں کا پیش خیمہ ہوسکتا ہے۔ لہٰذا رائج الوقت عاق نامہ کی کوئی شرعی حیثیت نہیں ہے۔ اگر کوئی شخص اپنے کسی وارث کو عاق کرنے کی غلطی کر چکا ہو تو دیگر ورثاء کو چاہیے کہ وہ اس خلافِ شریعت فیصلے کی تعمیل نہ کریں بلکہ اسے حصہ دے کر مرنے والے کا بوجھ کم کرنے کی کوشش کریں جیسا کہ نبی ﷺ نے ایک صحابی کی غیر شرعی وصیّت کو کالعدم قرار دیا تھا۔ حضرتِ عمران بن حصین رضی اللہ عنہ کا بیان ہے:

"أَنَّ رَجُلاً أَعْتَقَ سِتَّةَ مَمْلُوكِينَ لَهُ عِنْدَ مَوْتِهِ لَمْ يَكُنْ لَهُ مَالٌ غَيْرُهُمْ فَدَعَا بِهِمْ رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ فَجَزَّأَهُمْ أَثْلاَثًا ثُمَّ أَقْرَعَ بَيْنَهُمْ فَأَعْتَقَ اثْنَيْنِ وَأَرَقَّ أَرْبَعَةً وَقَالَ لَهُ قَوْلاً شَدِيدًا"

(صحیح المسلم، باب من اعتق شرکالہ فی عبد)

''کہ ایک شخص نے اپنی موت کے وقت (وصیّت کے ذریعے) اپنے چھ غلاموں کو آزاد کر دیا۔ ان چھ غلاموں کے علاوہ اس کے پاس کوئی اور مال نہیں تھا۔ اللہ کے رسول ﷺ نے ان غلاموں کو بلایا اور ان کو تین حصوں میں تقسیم

کر دیا۔ پھر ان کے درمیان قرعہ اندازی کر کے دو کو آزاد کر دیا اور چار کو (مرنے والے کے ورثاء کے حوالے کر کے) غلام رہنے دیا اور اس شخص کے بارے میں سخت الفاظ کہے۔"

مسند احمد بن حنبل میں ہے کہ جب آپ کو فوت ہونے والے کی اس حرکت کے متعلق بتایا گیا تو آپ نے فرمایا:

"لَوْ عَلِمْنَا اِنْ شَاءَ اللّٰهُ مَا صَلَّيْنَا عَلَيْهِ"

"اگر ہمیں پہلے علم ہو جاتا تو ہم اس کی نمازِ جنازہ نہ پڑھتے۔"

ابوداؤد کی روایت میں یہ الفاظ ہیں:

"لَوْ شَهِدْتُهُ قَبْلَ أَنْ يُدْفَنَ لَمْ يُدْفَنْ فِي مَقَابِرِ الْمُسْلِمِينَ"

"اگر میں اس کی تدفین سے پہلے وہاں موجود ہوتا تو اسے مسلمانوں کے قبرستان میں دفن نہ ہونے دیتا۔"

اسلامی قانونِ وراثت کے تدریجی مراحل

ہجرت کے فوری بعد جب اسلامی معاشرہ اپنی تشکیل کے ابتدائی مراحل میں تھا پیغمبر اسلام ﷺ نے مہاجر اور انصار صحابہ کے درمیان بھائی چارہ قائم کیا جسے مؤاخات کہا جاتا ہے۔ جب مہاجر صحابہ میں سے کوئی شخص فوت ہو جاتا تو اس کی میراث اس انصاری صحابی کو ملتی جس کے ساتھ اس کی مؤاخات قائم کی گئی تھی۔ کیونکہ مہاجر صحابہ کے نسبی رشتہ داروں میں سے اکثر یا تو کافر تھے جو شرعی لحاظ سے ان کے وارث نہیں ہو سکتے تھے یا وہ مسلمان ہو چکے لیکن اُنہوں نے مدینہ منورہ کی طرف ہجرت نہیں کی تھی۔ چونکہ اس وقت تمام مسلمانوں پر ہجرت فرض تھی اور انہوں نے ہجرت نہ کر کے ابھی تک فرض ادا نہیں کیا تھا جس وجہ سے ان کا مہاجر صحابہ کے ساتھ وراثت کا رشتہ ٹوٹ چکا تھا۔

بعد میں جب مہاجر صحابہ کے نسبی رشتے داروں کی ایک بڑی تعداد اسلام قبول کر کے مدینہ منورہ آ گئی تو یہ حکم منسوخ کر دیا گیا جیسا کہ صحیح بخاری میں جناب عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے:

"كَانَ الْمُهَاجِرُونَ لَمَّا قَدِمُوا الْمَدِينَةَ يَرِثُ الْمُهَاجِرُ الأَنْصَارِيَّ دُونَ ذَوِي رَحِمِهِ لِلأُخُوَّةِ الَّتِي آخَى النَّبِيُّ بَيْنَهُمْ فَلَمَّا نَزَلَتْ {وَلِكُلٍّ جَعَلْنَا مَوَالِيَ} نَسَخَتْ"

"جب مہاجرین مدینہ آئے تو نبی ﷺ کی طرف سے قائم کی گئی مؤاخاۃ کی وجہ سے نسبی رشتہ داروں کی بجائے انصاری مہاجر کا وارث ہوتا۔ جب (سورہ نساء کی آیت ۳۳) نازل ہوئی تو یہ طریقہ منسوخ ہو گیا۔"

فتح الباری میں حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے یہ بھی منقول ہے کہ ہجرت واخوت اور موالاۃ کی بنیاد پر وراثت کا قانون سورہ احزاب کی اس آیت سے منسوخ ہوا تھا:

{ اَلنَّبِيُّ اَوْلٰى بِالْمُؤْمِنِيْنَ مِنْ اَنْفُسِهِمْ وَ اَزْوَاجُهٗٓ اُمَّهٰتُهُمْ ؕ وَ اُولُوا الْاَرْحَامِ بَعْضُهُمْ اَوْلٰى بِبَعْضٍ فِيْ كِتٰبِ اللّٰهِ مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ وَ الْمُهٰجِرِيْنَ

إِلَّآ أَن تَفْعَلُوٓا۟ إِلَىٰٓ أَوْلِيَآئِكُم مَّعْرُوفًا ۚ كَانَ ذَٰلِكَ فِى ٱلْكِتَٰبِ مَسْطُورًا ۝٦ }

''نبی مومنوں پر خود ان کی جانوں سے بھی زیادہ حق رکھتے ہیں اور نبی کی بیویاں مومنوں کی مائیں ہیں۔اس کے باوجود کتاب اللہ کی رو سے مومنوں اور مہاجرین کے مقابلے میں رشتے دار ایک دوسرے پر (وراثت کے معاملے میں) زیادہ حق رکھتے ہیں الا یہ کہ تم اپنے دوستوں سے وصیت کر کے کوئی نیکی کرو۔یہ حکم کتاب الٰہی میں لکھا ہوا ہے۔''

ناسخ جو آیت بھی ہو ایک بات بہر حال طے ہے کہ مؤاخات کی بنیاد پر ایک دوسرے کے وارث بننے کا حکم اب منسوخ ہو چکا ہے۔

وراثت کے بارے میں دوسرا حکم یہ دیا گیا کہ مرنے والا والدین اور دوسرے رشتہ داروں کے بارے میں وصیت کر جائے تاکہ ان کا حق تلف نہ ہو۔ چنانچہ قرآن مجید کی سورۂ بقرہ میں ارشاد فرمایا:

{ كُتِبَ عَلَيْكُمْ إِذَا حَضَرَ أَحَدَكُمُ ٱلْمَوْتُ إِن تَرَكَ خَيْرًا ٱلْوَصِيَّةُ لِلْوَٰلِدَيْنِ وَٱلْأَقْرَبِينَ بِٱلْمَعْرُوفِ ۖ حَقًّا عَلَى ٱلْمُتَّقِينَ ۝١٨٠ }

''تم پر فرض کر دیا گیا ہے کہ اگر تم سے کوئی اپنے پیچھے مال چھوڑ کر جانے والا ہو جب اس کی موت وقت قریب آجائے تو وہ اپنے والدین اور قریبی رشتہ داروں کے لئے دستور کے مطابق وصیت کر جائے۔یہ پرہیز گار لوگوں کے ذمے ایک لازمی حق ہے۔''

یہ حکم بھی عارضی اور وقتی ضرورت کے تحت تھا جس کا مقصد ان رشتہ داروں کے حقوق کا تحفظ تھا جن کو سابقہ دستور کی رو سے حق نہیں مل رہا تھا۔ جب اللہ تعالیٰ نے سورۂ نساء میں وراثت کے قطعی اور مُفصّل احکام نازل فرما دیئے تو یہ طریق کار بھی منسوخ ہو گیا۔ البتہ غیر ورثاء کے حق میں وصیّت کی اجازت ہے۔

حاصل کلام یہ کہ مال وراثت کی تقسیم کا جو ضابطہ سورۂ نساء میں دیا گیا ہے وہ آخری اور قطعی ہے جس میں کسی کو وقتی اور عارضی مصلحت کی خاطر ترمیم و تنسیخ کا اختیار حاصل نہیں

تقسیم وراثت کے بارے میں قرآنی آیات

مرنے والے کی میراث کس طرح تقسیم ہوگی اور کس وارث کو کتنا حصہ ملے گا اس کے بیشتر احکام قرآن پاک کی سورت النساء کی آیت ۱۱، ۱۲ اور ۱۷۶ میں بیان ہوئے ہیں۔ ذیل میں وہ آیات اور ان کا ترجمہ ملاحظہ فرمائیں۔

{ يُوصِيكُمُ اللَّهُ فِي أَوْلَادِكُمْ ۖ لِلذَّكَرِ مِثْلُ حَظِّ الْأُنثَيَيْنِ ۚ فَإِن كُنَّ نِسَاءً فَوْقَ اثْنَتَيْنِ فَلَهُنَّ ثُلُثَا مَا تَرَكَ ۖ وَإِن كَانَتْ وَاحِدَةً فَلَهَا النِّصْفُ ۚ وَلِأَبَوَيْهِ لِكُلِّ وَاحِدٍ مِّنْهُمَا السُّدُسُ مِمَّا تَرَكَ إِن كَانَ لَهُ وَلَدٌ ۚ فَإِن لَّمْ يَكُن لَّهُ وَلَدٌ وَوَرِثَهُ أَبَوَاهُ فَلِأُمِّهِ الثُّلُثُ ۚ فَإِن كَانَ لَهُ إِخْوَةٌ فَلِأُمِّهِ السُّدُسُ ۚ مِن بَعْدِ وَصِيَّةٍ يُوصِي بِهَا أَوْ دَيْنٍ ۗ آبَاؤُكُمْ وَأَبْنَاؤُكُمْ لَا تَدْرُونَ أَيُّهُمْ أَقْرَبُ لَكُمْ نَفْعًا ۚ فَرِيضَةً مِّنَ اللَّهِ ۗ إِنَّ اللَّهَ كَانَ عَلِيمًا حَكِيمًا ﴿١١﴾ } (النساء:۱۱)

''اللہ تمھیں تمھاری اولاد کے بارے میں حکم دیتا ہے کہ ایک لڑکے کا حصہ دو لڑکیوں کے برابر ہے اور اگر (کسی میت کی وارث صرف دو یا) دو سے زائد لڑکیاں ہوں تو انہیں مرنے والے کے ترکہ کا دو تہائی ($\frac{2}{3}$) ملے گا اور اگر صرف ایک لڑکی وارث ہو تو اسے نصف ملے گا۔ اور اگر میّت صاحب اولاد ہو تو اس کے والدین میں سے ہر ایک کو ترکے کا چھٹا حصہ دیا جائے، اور اگر اس کی اولاد نہ ہو اور والدین ہی اس کے وارث ہوں تو اس کی ماں کو تیسرا حصہ ملے گا، ہاں اگر اس کے کئی بہن بھائی ہوں تو اس کی والدہ کو چھٹا حصہ دیا جائے گا۔ یہ حصے اس وصیت کے بعد ہیں جو مرنے والے نے کی ہو یا اس کے ذمے ادائیگی کے بعد (اگر اس کے ذمے ہو)۔ تم نہیں جانتے کہ تمھارے باپ اور بیٹوں میں سے کون تمھیں فائدہ پہنچانے میں زیادہ

قریب ہے؟ یہ حصے اللہ کی طرف سے مقرر کردہ ہیں، بے شک اللہ تعالیٰ پورے علم والا، کامل حکمتوں والا ہے۔''

{وَ لَكُمْ نِصْفُ مَا تَرَكَ اَزْوَاجُكُمْ اِنْ لَّمْ يَكُنْ لَّهُنَّ وَلَدٌ ۚ فَاِنْ كَانَ لَهُنَّ وَلَدٌ فَلَكُمُ الرُّبُعُ مِمَّا تَرَكْنَ مِنْۢ بَعْدِ وَصِيَّةٍ يُّوْصِيْنَ بِهَاۤ اَوْ دَيْنٍ ؕ وَ لَهُنَّ الرُّبُعُ مِمَّا تَرَكْتُمْ اِنْ لَّمْ يَكُنْ لَّكُمْ وَلَدٌ ۚ فَاِنْ كَانَ لَكُمْ وَلَدٌ فَلَهُنَّ الثُّمُنُ مِمَّا تَرَكْتُمْ مِّنْۢ بَعْدِ وَصِيَّةٍ تُوْصُوْنَ بِهَاۤ اَوْ دَيْنٍ ؕ وَ اِنْ كَانَ رَجُلٌ يُّوْرَثُ كَلٰلَةً اَوِ امْرَاَةٌ وَّ لَهٗۤ اَخٌ اَوْ اُخْتٌ فَلِكُلِّ وَاحِدٍ مِّنْهُمَا السُّدُسُ ۚ فَاِنْ كَانُوْۤا اَكْثَرَ مِنْ ذٰلِكَ فَهُمْ شُرَكَآءُ فِي الثُّلُثِ مِنْۢ بَعْدِ وَصِيَّةٍ يُّوْصٰى بِهَاۤ اَوْ دَيْنٍ ۙ غَيْرَ مُضَآرٍّ ۚ وَصِيَّةً مِّنَ اللّٰهِ ؕ وَ اللّٰهُ عَلِيْمٌ حَلِيْمٌ ؕ﴿۱۲﴾} (النساء:۱۲)

''تمھاری بیویاں جو کچھ چھوڑ جائیں تو تمھیں اس کا نصف ملے گا اگر ان کی اولاد نہ ہو۔ اور اگر ان کی اولاد ہو تو جو وصیت انہوں نے کی ہو اس پر عمل کرنے اور ان کے قرض کی ادائیگی کے بعد تمھیں ان کے ترکے کا چوتھا حصہ ملے گا۔ اور وہ تمھارے ترکے میں سے چوتھے حصے کی حق دار ہوں گی بشرطیکہ تمھاری کوئی اولاد نہ ہو اور اگر تمھاری کوئی اولاد ہو تو جو وصیّت تم نے کی ہو اس کو پورا کرنے اور تمھارے قرض کی ادائیگی کے بعد ان کو آٹھواں حصہ ملے گا۔ اور اگر وہ مرد یا عورت (جس کی میراث تقسیم ہونی ہے) کلالہ ہو مگر اس کا ایک (ماں شریک) بھائی یا بہن موجود ہو تو بھائی اور بہن میں سے ہر ایک کو چھٹا حصہ ملے گا اور اگر وہ (ماں شریک) بھائی بہن ایک سے زائد ہوں تو جو وصیّت کی گئی ہو وہ پوری کرنے اور قرض کی ادائیگی کے بعد وہ سب تیسرے حصے میں شریک ہوں گے بشرطیکہ (وصیت اور قرض کے اقرار میں) دوسروں کو نقصان نہ پہنچایا گیا ہو۔ یہ حکم اللہ کی طرف سے ہے

اور اللہ ہر بات کا علم رکھنے والا، بردبار ہے۔"

{يَسْتَفْتُونَكَ ۖ قُلِ اللَّهُ يُفْتِيكُمْ فِي الْكَلَالَةِ ۚ إِنِ امْرُؤٌ هَلَكَ لَيْسَ لَهُ وَلَدٌ وَلَهُ أُخْتٌ فَلَهَا نِصْفُ مَا تَرَكَ ۚ وَهُوَ يَرِثُهَا إِن لَّمْ يَكُن لَّهَا وَلَدٌ ۚ فَإِن كَانَتَا اثْنَتَيْنِ فَلَهُمَا الثُّلُثَانِ مِمَّا تَرَكَ ۚ وَإِن كَانُوا إِخْوَةً رِّجَالًا وَنِسَاءً فَلِلذَّكَرِ مِثْلُ حَظِّ الْأُنثَيَيْنِ ۗ يُبَيِّنُ اللَّهُ لَكُمْ أَن تَضِلُّوا ۗ وَاللَّهُ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيمٌ ﴿١٧٦﴾} (النساء:۱۷۶)

"(اے پیغمبر) یہ لوگ تم سے کلالہ کے بارے میں پوچھتے ہیں۔ کہہ دو اللہ تمھیں کلالہ کے متعلق حکم دیتا ہے کہ اگر کوئی شخص اس حال میں فوت ہو جائے کہ اس کی اولاد نہ ہو اور اس کی ایک بہن ہو تو وہ اس کے ترکے سے نصف پائے گی۔ اور اگر بے اولاد بہن فوت ہو جائے تو وہ بھائی اس کا وارث ہوگا۔ اگر میت کی وارث دو بہنیں ہوں تو وہ بھائی کے ترکے میں سے دو تہائی ($\frac{2}{3}$) کی حق دار ہوں گی۔ اور اگر مرنے والے کے بھائی بھی ہوں اور بہنیں بھی تو ایک مرد کو دو عورتوں کے برابر حصہ ملے گا۔ اللہ تمھارے لئے احکام واضح کرتا ہے تاکہ تم بھٹکتے نہ پھرو اور اللہ ہر چیز کا علم رکھتا ہے۔"

پہلی آیت میں اولاد اور والدین، دوسری میں خاوند، بیوی اور ماں شریک بہن بھائیوں جب کہ تیسری میں باپ شریک بہن بھائیوں کا حصہ بیان ہوا ہے۔ باقی رہے بھتیجے، چچا اور ان کے بیٹے تو ان کا حقِ میراث صحیحین کی اس حدیث میں بیان ہوا ہے:

"عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ رضی اللہ عنہ عَنِ النَّبِيِّ صلی اللہ علیہ وسلم قَالَ : أَلْحِقُوا الْفَرَائِضَ بِأَهْلِهَا فَمَا بَقِيَ فَهُوَ لِأَوْلَى رَجُلٍ ذَكَرٍ"

(صحیح البخاری و صحیح المسلم، کتاب الفرائض)

"حضرتِ عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: وراثت کے مقررہ حصے ان کے حق داروں کو دو پھر جو بچ جائے وہ میت کے

سب سے زیادہ قریبی مرد کے لئے ہے۔"

اتنے مختصر الفاظ میں ایسے وسیع وعمیق موضوع کو پوری جامعیت کے ساتھ بیان کرنا اسلام کا ہی اعجاز ہے۔

پہلی دو آیتوں کا شانِ نزول یہ ہے کہ حضرت سعد بن ربیع رضی اللہ عنہ بڑے مالدار صحابی تھے، وہ غزوہ احد میں شہید ہو گئے ان کی پوری جائیداد پر ان کے بھائی نے قبضہ کر لیا۔ حضرتِ سعد کی بیوی نے خدمت نبوی میں حاضر ہو کر عرض کی: اے اللہ کے رسول یہ سعد کی بیٹیاں ہیں۔ ان کے والد غزوہ احد میں آپ کے ساتھ شریک ہوئے اور شہید ہو گئے۔ ان بچیوں کا چچا سارے مال پر قابض ہو گیا ہے اور اس نے ان دونوں کیلئے کچھ نہیں چھوڑا۔ آخر ان کے نکاح کیلئے بھی تو مال کی ضرورت ہو گی۔ آپ نے فرمایا اللہ اس کے بارے میں جلد کوئی فیصلہ فرمائے گا۔ اس کے بعد یہ دونوں آیات نازل ہوئیں۔ (احمد، ابوداؤد، ترمذی۔ ابن ماجہ)

جب کہ تیسری آیت کا سببِ نزول حضرتِ جابر رضی اللہ عنہ کا واقعہ ہے وہ ایک مرتبہ بیمار ہوئے تو انہیں اپنی وراثت کے بارے میں فکر لاحق ہوئی کیونکہ ان کی اولاد نہیں تھی البتہ نو بہنیں اور ایک بھائی تھا۔ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم ان کی بیمار پرسی کے لئے تشریف لائے تو انہوں نے آپ سے دریافت کیا کہ میری وراثت کس طرح تقسیم ہو گی اس پر اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی۔ (بخاری۔ مسلم)

ان آیاتِ مبارکہ میں مختلف رشتہ داروں کے جو حصے مقرر کئے گئے ہیں ان کی تفصیلات بیان کرنے سے پہلے بعض اہم مسائل کی وضاحت ضروری ہے۔

والد کی زندگی میں وراثت کی تقسیم

ان آیات میں وراثت کے لیے بار بار "مِمَّا تَرَكَ" کا لفظ استعمال ہوا ہے جس کا مطلب ہے کہ یہ اصول اس شخص کا مال تقسیم کرنے کے لئے بیان کئے جا رہے ہیں جو دنیا سے رخصت ہو چکا ہو اور اس نے اپنے پیچھے کچھ مال چھوڑا ہو جس سے یہ بات از خود

ثابت ہو گئی کہ وراثت کسی کے فوت ہونے کے بعد تقسیم ہونی چاہیے ۔لہٰذا والد کی جائیداد میں اولاد کا استحقاق اس کی وفات کے بعد ہی بنتا ہے، اس لئے والد کی زندگی میں اولاد کا اپنا شرعی حصہ مانگنا جائز نہیں۔

اور والد کے لیے بھی یہی بہتر ہے کہ وہ زندگی میں اپنا مال تقسیم نہ کرے کیونکہ ممکن ہے بعد میں وہ خود محتاج ہو جائے۔ یہ امکان بھی ہے کہ کوئی بیٹا یا بیٹی باپ کی زندگی میں فوت ہو جائے۔ اس صورت میں فوت ہونے والے نے جو حصہ لیا وہ اس کا حق نہیں تھا کیونکہ شرعی لحاظ سے مورث کی وفات کے وقت اس کے وارث کا زندہ ہونا شرط ہے۔

ہاں! اگر کسی شخص کو اس بات کا حقیقی اندیشہ ہو کہ اس کی وفات کے بعد اس کے ورثاء اپنے معاملات شریعت کی روشنی میں طے نہیں کریں گے بلکہ جس کے ہاتھ جو لگے گا وہ اس پر قابض ہو جائے گا ایسی صورت میں وہ اپنے لئے جتنا رکھنا چاہے رکھ لے۔ باقی شرعی حصوں کے مطابق تقسیم کر دے تا کہ بعد میں تنازعات اور اختلافات پیدا نہ ہوں اور اگر ہوں تو انہیں نمٹانا آسان ہو کیونکہ یہ موت کے بعد پیش آنے والے قضیہ کو قبل از وقت حل کرنے کی ایک تدبیر ہے جس پر کسی کو اعتراض نہیں ہونا چاہیے۔

البتہ اگر کوئی شخص اپنی جائیداد کا کچھ حصہ اپنی زندگی میں اپنی اولاد کو بطور تحفہ دینا چاہے تو اس میں کوئی حرج نہیں لیکن اولاد باپ کو مجبور نہیں کر سکتی۔

بعض علماء کے نزدیک تحفہ میں مذکر و مؤنث کا حصہ برابر ہونا ضروری ہے۔ جس کی دلیل حضرت نعمان بن بشیر رضی اللہ عنہ کا واقعہ ہے انہیں ان کے والد رسول اللہ ﷺ کے پاس لائے اور کہا کہ میں نے اپنے اس بیٹے کو ایک غلام تحفے میں دیا ہے۔ آپ نے پوچھا:

"أَعْطَيْتَ سَائِرَ وَلَدِكَ مِثْلَ هَذَا قَالَ لاَ قَالَ فَاتَّقُوا اللَّهَ وَاعْدِلُوا بَيْنَ أَوْلاَدِكُمْ" (صحيح البخاري: باب الإشهاد في الهبة)

"کیا تم نے اپنی ساری اولاد کو اسی طرح دیا ہے؟ انہوں نے کہا نہیں۔ آپ نے فرمایا: اللہ سے ڈرو اور اولاد کے درمیان عدل کرو۔"

بعض دوسرے علماء کے نزدیک ہبہ میں لڑکے کو لڑکی سے دوگنا دیا جاسکتا ہے۔ ان کا استدلال یہ ہے کہ حضرت نعمان بن بشیر رضی اللہ عنہ کی حدیث میں عدل کا حکم ہے اور عدل وہی ہے جس کا حکم قرآن نے دیا ہے کہ لڑکے کو لڑکی سے دوگنا دیا جائے۔

اسلامی تاریخ کے مشہور ترین جج حضرت شریح رحمہ اللہ جو کبار تابعین میں سے ہیں ان کے دور میں ایک شخص نے اپنے بچوں میں تمام مال برابر تقسیم کر دیا تو قاضی شریح نے فرمایا:

''ان کو اللہ کے مقرر کردہ حصوں اور اس کے فرائض کی طرف لوٹا دو۔''

(المغنی ج ۸، ص ۲۵۹)

حضرت عطاء رحمہ اللہ کہتے ہیں:

"ما كانوا يقسمون إلّا على كتاب الله تعالى" (ایضاً)

''صحابہ کرام اللہ کی کتاب کے مطابق ہی تقسیم کرتے تھے۔''

ترکہ کیا ہے؟

ترکہ کا لغوی معنی ہے ''چھوڑی ہوئی چیز''۔ علم میراث کی اصطلاح میں ترکہ اس مال وجائیداد کو کہتے ہیں جو مرنے والا اپنے پیچھے چھوڑ جائے، خواہ وہ اسے وراثت میں ملی ہو یا اس نے اپنی محنت سے حاصل کی ہو، وہ زیور کی شکل میں ہو یا نقدی، گاڑی ہو یا مکان اور زرعی زمین، کوئی کارخانہ ہو یا کسی کمپنی کے شیئرز، اس کی مالیت کم ہو یا زیادہ۔ شادی شدہ عورت کے فوت ہونے کی صورت میں اس کا سامانِ جہیز، مہر کی رقم اور شادی کے موقع پر ملنے والے تحائف وغیرہ بھی اس کے ترکہ میں شمار ہوں گے۔ بہر حال مرنے والے نے اپنے پیچھے جو کچھ چھوڑا اسے ترکہ کہا جاتا ہے لیکن شرط یہ ہے کہ اس میں کسی دوسرے شخص کا حق شامل نہ ہو۔ اگر اس کی متروکہ جائیداد میں کسی دوسرے کا حق ہو تو جب تک دوسرے کا حق ادا نہ کر دیا جائے وہ جائیداد ترکہ میں شمار نہیں ہوگی۔ مثلاً مرنے والے نے اپنی کوئی چیز کسی کے پاس گروی رکھی ہوئی ہو اور اس نے اتنا مال نہ چھوڑا ہو جس سے گروی شدہ چیز کو واگذار (بے قید یا گروی سے چھڑایا جاسکے) کرایا جاسکے تو ایسی چیز

مرنے والے کے ترکہ میں شمار نہیں ہوگی۔

قرض کی ادائیگی

سورۂ نساء کی ان آیات میں دوسرا مسئلہ یہ بیان ہوا ہے کہ مرنے والے کے مال پر سب سے پہلا حق قرض خواہوں کا ہے یعنی اگر متوفی نے کسی سے کوئی قرض لیا ہو یا کوئی چیز اُدھار خریدی ہو اور ابھی اس کی ادائیگی نہ کی گئی ہو یا اس کے ذمے کسی کا کوئی مالی حق ہو تو سب سے پہلے ترکے سے اس کی ادائیگی ہونی چاہئے۔ میّت کے ذمہ دو قسم کا قرض ہو سکتا ہے۔

① جو متروکہ جائیداد میں سے کسی خاص چیز کے ساتھ تعلق رکھتا ہو۔ جیسے متوفی نے اپنی کوئی چیز گروی رکھ کر قرض لیا اور اس کی ملکیت میں گروی رکھی گئی چیز کے علاوہ اور کچھ نہ ہو تو رہن چھڑوانے کے بعد اس چیز کو فروخت کر کے سب سے پہلے اس شخص کا قرض ادا کیا جائے گا۔

اسی طرح اگر متوفی نے کوئی چیز مثلاً گاڑی ادھار خریدی لیکن قیمت ادا کرنے سے قبل وفات پا گیا تو یہ گاڑی میت کے ترکہ میں شمار ہوگی کیوں کہ وفات کے وقت وہ اس کا مالک تھا لیکن چونکہ گاڑی کی قیمت ابھی تک ادا نہیں کی گئی لہٰذا یہ رقم میّت کے لیے واجب الادا ہوگی۔

② دوسرا وہ قرض جو ترکہ میں شامل اشیاء سے تعلق نہ رکھتا ہو۔ خواہ وہ اللہ کا حق ہو جیسے وہ زکوٰۃ جو متوفی کی زندگی میں اس پر فرض تھی مگر کسی وجہ سے ادا نہ ہو سکی یا کوئی نذر اور کفارہ اس کے ذمہ واجب ہو یا وہ قرض کسی انسان کا حق ہو جیسے کوئی چیز گروی رکھے بغیر لیا گیا قرض یا کسی کی اجرت جو اس کے ذمہ واجب ہو یا بیوی کا حق مہر جو ابھی تک ادا نہ کیا گیا ہو۔ یہ ادائیگیاں دوسرے مرحلے میں کی جائیں گی۔

اگر کسی میّت کے ذمے مختلف لوگوں کی ادائیگیاں واجب ہوں اور اس کا ترکہ ان سب کے لئے ناکافی ہو تو ہر قرض خواہ کو اس کے حصے کے تناسب سے ادائیگی کی جائے گی یعنی جس کا قرض زیادہ اس کو زیادہ اور جس کا کم اس کو اسی حساب سے کم دیا جائے گا۔

چنانچہ معروف سعودی عالم علامہ شیخ محمد بن صالح عثیمین رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

"ویسوّیٰ بین الدیون بالحصص ان لم تف الترکة بالجمیع سواء کان الدین للہ أم للآدمي، وسواء کان سابقا أم لا حقا"

(تسہیل الفرائض)

"اگر ترکہ تمام ادائیگیوں کے لئے کافی نہ ہو تو (سب قرض خواہاں کو) حصوں کے تناسب سے دیا جائے گا، خواہ وہ ادائیگی اللہ کا حق ہو یا کسی انسان کا۔ خواہ وہ ادائیگی پہلے کی ہو یا بعد میں واجب ہوئی ہو۔"

بعض اہل علم کے نزدیک اگر ادائیگیوں کے مقابلہ میں ترکہ کم پڑ جائے تو پہلے وہ ادائیگیاں کی جائیں گی جو اللہ تعالیٰ کا حق ہیں۔ وہ اس حدیث سے استدلال کرتے ہیں:

"اقْضُوا اللهَ فَاللهُ أَحَقُّ بِالْوَفَاءِ" (البخاری: کتاب جزاء الصید)

"اللہ کے حق کی ادائیگی کرو کیوں کہ اللہ زیادہ حق دار ہے کہ اس کے حق کی ادائیگی کی جائے۔"

شارح بخاری علامہ حافظ ابن حجر عسقلانی رحمہ اللہ اس حدیث کی تشریح میں لکھتے ہیں:

"یہ اس بات کی دلیل ہے کہ حقوق اللہ کی ادائیگی حقوق العباد کی ادائیگی سے مقدم ہے۔ امام شافعی کا ایک قول یہی ہے۔" (فتح الباری: ج ۴، ص ۸۶)

لیکن یہ موقف صحیح معلوم نہیں ہوتا کیوں کہ یہ الفاظ آپ ﷺ نے ایک خاص سوال کے جواب میں ارشاد فرمائے تھے۔ وہ یہ کہ جُہینہ قبیلے کی ایک عورت نے حاضرِ خدمت ہو کر عرض کی:

"إِنَّ أُمِّي نَذَرَتْ أَنْ تَحُجَّ فَلَمْ تَحُجَّ حَتَّى مَاتَتْ أَفَأَحُجُّ عَنْهَا قَالَ نَعَمْ حُجِّي عَنْهَا أَرَأَيْتِ لَوْ كَانَ عَلَى أُمِّكِ دَيْنٌ أَكُنْتِ قَاضِيَةً اقْضُوا اللهَ فَاللهُ أَحَقُّ بِالْوَفَاءِ"

(صحیح البخاری: باب الحج والنذور عن المیت)

''میری والدہ نے حج کی نذر مانی تھی مگر وہ حج کرنے سے قبل ہی وفات پا گئی ہے کیا میں اس کی طرف سے حج کروں؟ آپ نے فرمایا ہاں اس کی طرف سے حج کرو۔ کیا خیال ہے اگر تیری والدہ کے ذمے قرض ہوتا کیا تو نے وہ ادا نہیں کرنا تھا؟ اللہ کی ادائیگی کرو کیوں کہ اللہ زیادہ حق دار ہے کہ اس کی ادائیگی کی جائے۔''

یہاں صرف اتنی بات بیان ہوئی ہے کہ اگر کسی میّت کے ذمے حج یا کوئی نذر واجب ہو تو اس کی ادائیگی ضرور ہونی چاہئے۔ اس میں کوئی اختلاف نہیں مگر جہاں تک اس مسئلہ کا تعلق ہے کہ جب کسی شخص کے ذمے بندوں کے علاوہ اللہ کی کوئی ادائیگی بھی واجب ہو تو پہلا حق کس ادائیگی کا ہوگا، یہ ایک الگ مسئلہ ہے جس کے بارے میں نہ تو اس موقع پر آپ سے کچھ پوچھا گیا اور نہ ہی آپ نے اس موضوع پر کوئی روشنی ڈالی۔

جن حضرات کے خیال میں تمام ادائیگیوں کے لئے ترکہ ناکافی ہونے کی صورت میں اللہ اور بندوں کی ادائیگیوں کی حیثیت برابر ہوتی ہے یعنی وہ حقوق اللہ کو حقوق العباد کے ساتھ ملا کر حصے کے تناسب سے ادائیگی کے قائل ہیں وہ یہ بھی کہتے ہیں کہ اس طرح دونوں قسم کے حقوق کی کچھ نہ کچھ ادائیگی ہو جاتی ہے جب کہ دوسری رائے کے مطابق صرف حقوق اللہ کی ادائیگی ہوتی ہے اور کسی ایک حق کو بالکل نظر انداز کرنے سے اس کی جزوی ادائیگی بہرحال بہتر ہے۔

نیز اس طرح حسب ہمت و توفیق میّت کو دونوں قسم کی ادائیگیوں سے سبکدوش کر دیا جاتا ہے اور ترکہ کم ہونے کی وجہ سے جو ادائیگی باقی رہ جاتی ہے خواہ وہ اللہ کا حق ہو یا بندوں کا، اس کو اللہ تعالیٰ اپنے فضل و کرم سے معاف فرما دے گا کیوں کہ اللہ تعالیٰ کسی شخص پر اس کی طاقت سے زیادہ بوجھ نہیں ڈالتا جب کہ اللہ کی ادائیگیوں کو ترجیح دینے کی صورت میں بندوں کی ادائیگیاں بدستور میّت کے ذمہ باقی رہتی ہیں جو کہ ناقابل معافی ہیں۔

اور اگر کسی میّت کا بالکل ہی ترکہ نہ ہو تو اس کے قرض کی ادائیگی اس کے قریبی رشتہ دار

کریں گے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ شہید ہوئے تو ان کے ذمے چھیاسی ہزار درہم یا اس کے قریب قرض تھا۔ انہوں نے شہادت سے قبل اپنے صاحبزادے حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ کو وصیت کی:

"إِنْ وَفَى لَهُ مَالُ آلِ عُمَرَ فَأَدِّهِ مِنْ أَمْوَالِهِمْ وَإِلَّا فَسَلْ فِي بَنِي عَدِيِّ بْنِ كَعْبٍ فَإِنْ لَمْ تَفِ أَمْوَالُهُمْ فَسَلْ فِي قُرَيْشٍ" (صحيح البخاري: كتاب المناقب باب قصة البيعة والاتفاق على عثمان)

"اگر میری اولاد کا مال اس قرض کی ادائیگی کے لئے کافی ہو تو ان کے مال سے یہ قرض ادا کرنا ورنہ میری قوم بنی عدی بن کعب سے سوال کر لینا، اگر ان سے بھی یہ قرض ادا نہ ہو سکے تو قریش کے لوگوں سے کہنا کہ وہ باقی قرض ادا کریں۔"

بلکہ کوئی اجنبی مسلمان بھی یہ ذمہ داری اٹھا سکتا ہے جیسا کہ صحیح بخاری میں ہے کہ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک مقروض کی نمازِ جنازہ پڑھانے سے انکار کر دیا تو حضرت ابو قتادہ رضی اللہ عنہ نے عرض کی یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم آپ نماز جنازہ پڑھائیں اس کا قرض میں ادا کروں گا۔ تب آپ نے اس کی نماز جنازہ پڑھائی۔ (صحیح بخاری: باب الکفالۃ)

اگر کوئی بھی ذمہ داری نہ اٹھائے تو اس کی بیت المال سے ادائیگی کی جائے۔

حضرتِ ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

"فَأَيُّمَا مُؤْمِنٍ مَاتَ وَتَرَكَ مَالاً فَلْيَرِثْهُ عَصَبَتُهُ مَنْ كَانُوا وَمَنْ تَرَكَ دَيْنًا أَوْ ضَيَاعًا فَلْيَأْتِنِي فَأَنَا مَوْلَاهُ" (صحيح البخاري، كتاب الاستقراض، باب الصَّلَاةِ عَلَى مَنْ تَرَكَ دَيْنًا)

"جو مومن مال چھوڑ کر فوت ہو تو وہ اس کے ورثاء کے لئے ہے وہ جو بھی ہوں اور جو قرض یا نادار بچے چھوڑ جائے وہ میرے پاس آ جائیں میں ان کا سرپرست ہوں۔"

واضح رہے اگر کوئی آدمی اپنی بیوی کا مہر اپنی زندگی میں ادا نہیں کر سکا تو اس کو بھی قرض کے طور پر ترکہ سے ادا کیا جائے گا۔

تعمیل وصیت

تیسرا مسئلہ جو ان آیات میں متعدد مرتبہ بیان ہوا ہے وہ یہ کہ اگر فوت ہونے والے نے کوئی وصیت کی ہو تو وراثت کی تقسیم سے پہلے وہ پوری کی جائے گی۔ اس کے بعد جو بچے اسے کتاب وسنت کی روشنی میں ورثاء میں تقسیم کیا جائے۔ اگرچہ قرآن پاک میں بہ لحاظ ترتیب وصیّت کا ذکر پہلے آیا ہے اور قرض کا بعد میں مگر حقیقت میں قرض کی ادائیگی وصیّت سے مقدم ہے۔ جیسا کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کا فرمان ہے:

"إِنَّكُمْ تَقْرَءُونَ هَذِهِ الآيَةَ ﴿مِنْ بَعْدِ وَصِيَّةٍ تُوصُونَ بِهَا أَوْ دَيْنٍ﴾ وَأَنَّ رَسُولَ اللهِ ﷺ قَضَى بِالدَّيْنِ قَبْلَ الْوَصِيَّةِ"

(سنن الترمذی: مَا جَاءَ فِي مِيرَاثِ الإِخْوَةِ مِنَ الأَبِ وَالأُمِّ)

"بلاشبہ تم یہ آیت یوں پڑھتے ہو کہ جو وصیّت تم نے کی ہو اس پر عمل کرنے اور قرض کی ادائیگی کے بعد ترکہ کی تقسیم ہوگی لیکن اللہ کے رسول ﷺ نے وصیّت سے پہلے قرض کی ادائیگی کا حکم دیا ہے۔"

اس کی وجہ یہ ہے کہ مرنے والے کے مال میں قرض خواہوں کا حق اس کی زندگی میں ہی قائم ہو جاتا ہے اور جن کے لئے وصیت کی گئی ہو ان کا حق اس کی موت سے قبل قائم نہیں ہوتا مگر قرآن نے وصیت کا تذکرہ پہلے کیا ہے جس کا مقصد وصیت کی اہمیت اجاگر کرنا ہے تاکہ لوگ اس کو معمولی سمجھ کر تساہل سے کام نہ لیں کیونکہ وصیت واجب نہیں صرف ایک نیکی کا معاملہ ہے جس کی وجہ سے بعض اوقات ورثاء اسے غیر اہم سمجھ کر نظر انداز کر دیتے ہیں جب کہ قرض کی ادائیگی واجب ہے جس میں تساہل کا احتمال کم ہوتا ہے اور اگر کسی میّت کے ورثاء ٹال مٹول کریں بھی تو قرض خواہان زبردستی وصول کر لیتے ہیں اس لئے قرآن پاک نے وصیّت کا ذکر پہلے کیا ہے تاکہ ورثاء اسے غیر اہم سمجھ کر نظر انداز نہ کریں۔

وصیت کی اجازت کا فلسفہ

وصیت کی اجازت اس لئے دی گئی ہے تاکہ جن رشتہ داروں کو قانونِ میراث کی رو

سے حصہ نہیں مل رہا اور وہ مدد کے مستحق ہیں، مثلاً کوئی یتیم پوتا یا پوتی ہے یا کسی بیٹے کی بیوہ مصیبت زدہ ہے یا کوئی دوسرا عزیز مدد کا محتاج ہے تو وصیت کے ذریعے اس کی مدد کی جا سکے۔ وصیّت کے بارے میں شریعتِ اسلامیہ نے دو ضابطے بیان فرمائے ہیں۔

① پہلا ضابطہ یہ بیان فرمایا کہ جو رشتہ دار وراثت میں حصہ دار ہوں ان کے حق میں وصیّت جائز نہیں ہے۔ کیونکہ جن رشتہ داروں کو اللہ تعالیٰ نے کسی میّت کا وارث قرار دیا ہے ان کے بارے میں مبنی بر انصاف قانون وہی ہے جو اس نے بیان کر دیا گیا ہے۔ چنانچہ قانونِ میراث نازل ہونے کے بعد ان کے حق میں وصیّت کا کوئی جواز نہیں رہتا۔ سیدنا ابو امامہ رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ میں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو خطبۂ حجۃ الوداع میں یہ فرماتے سنا:

"إِنَّ اللّٰهَ قَدْ أَعْطَى كُلَّ ذِي حَقٍّ حَقَّهُ فَلَا وَصِيَّةَ لِوَارِثٍ"

(مشکوٰۃ المصابیح، باب الوصایا)

"اللہ تعالیٰ نے ہر حق دار کو اس کا حق دیدیا ہے (ورثا کے حصے مقرر کر دیئے ہیں۔) لہٰذا اب کسی وارث کے حق میں وصیت کرنا جائز نہیں۔"

② وصیّت کے بارے میں دوسرا ضابطہ یہ بیان فرمایا کہ اس کی آخری حد ایک تہائی سے زائد نہیں ہونی چاہیے۔ چنانچہ حضرتِ سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ کہتے ہیں:

"كَانَ رَسُولُ اللّٰهِ صلی اللہ علیہ وسلم يَعُودُنِي عَامَ حَجَّةِ الْوَدَاعِ مِنْ وَجَعٍ اشْتَدَّ بِي فَقُلْتُ إِنِّي قَدْ بَلَغَ بِي مِنَ الْوَجَعِ وَأَنَا ذُو مَالٍ وَلَا يَرِثُنِي إِلَّا ابْنَةٌ أَفَأَتَصَدَّقُ بِثُلُثَيْ مَالِي قَالَ لَا فَقُلْتُ بِالشَّطْرِ فَقَالَ لَا ثُمَّ قَالَ الثُّلُثُ وَالثُّلُثُ كَبِيرٌ أَوْ كَثِيرٌ" (صحیح البخاری، کتاب الوصایا، باب الوصیۃ بالثلث)

"حجۃ الوداع کے موقع پر مجھے سخت تکلیف تھی اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم میری بیمار پرسی کیلئے تشریف لائے۔ میں نے کہا مجھے تکلیف ہے اور میں مال دار ہوں اور میری وارث صرف ایک بیٹی ہے کیا میں اپنے دو تہائی مال کی وصیت کر

دوں؟ آپ نے فرمایا نہیں، میں نے کہا آدھے مال کی آپ نے فرمایا نہیں۔
پھر فرمایا تیسرے حصے کی کرو، اگرچہ تیسرا حصہ بھی زیادہ ہے۔"

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں:

"لَوْ غَضَّ الناسُ إلي الربع لأنَّ رَسُوْلَ اللهِ ﷺ قالَ اَلثُّلث والثلث كثير أو كبير"

(صحیح البخاری: كتاب الوصايا باب الوصية بالثلث)

"کاش لوگ مال کے چوتھے حصے کی وصیّت تک ہی رہیں۔ کیوں کہ اللہ کے رسول ﷺ کا ارشاد ہے کہ تیسرے حصے کی وصیّت درست تو ہے مگر زیادہ ہے۔"

دوسری روایت میں ہے:

"الَّذِي يُوصِي بِالْخُمُسِ أَفْضَلُ مِنَ الَّذِي يُوصِي بِالرُّبُعِ وَالَّذِي يُوصِي بِالرُّبُعِ أَفْضَلُ مِنَ الَّذِي يُوصِي بِالثُّلُثِ" (سنن البيهقي: كتاب الوصايا، باب من استحب النقصان عن الثلث)

"پانچویں حصہ کی وصیّت کرنے والا چوتھے حصے کی وصیّت کرنے والے سے افضل ہے اور چوتھے حصے کی وصیّت کرنے والا تہائی حصے کی وصیت کرنے والے سے بہتر ہے۔"

معلوم ہوا کہ فوت ہونے والا زیادہ سے زیادہ اپنے مال کے صرف ایک تہائی حصے تک وصیّت کرسکتا ہے۔ اس میں اسے اختیار ہے کہ چاہے کسی دینی مدرسے اور مسجد کیلئے وقف کرے یا کسی رفاہِ عامہ کے لئے مخصوص کرے یا کسی یتیم، مسکین اور بیوہ کے حق میں وصیّت کرے لیکن اگر رشتہ داروں میں کوئی ایسا ہو جس کی مالی حالت اچھی نہ ہو تو اس کے حق میں وصیّت کرنا زیادہ اجر وثواب کا باعث ہے، تاہم کسی ایسے شخص یا ادارے کے حق میں وصیت جائز نہیں جو ملک وملت کے خلاف سرگرمیوں میں ملوث ہو۔ اگر فوت ہونے والا کسی ایسے شخص یا ادارے کے بارے میں وصیّت کر گیا ہو جس کے حق میں وصیّت کرنا

جائز نہ تھی تو وہ نافذ العمل نہیں ہوگی بلکہ اس کی اصلاح کرنی چاہیے۔ ارشادِ ربانی ہے:

{فَمَنْ خَافَ مِن مُّوصٍ جَنَفًا أَوْ إِثْمًا فَأَصْلَحَ بَيْنَهُمْ فَلَا إِثْمَ عَلَيْهِ ۚ إِنَّ اللَّهَ غَفُورٌ رَّحِيمٌ ﴿١٨٢﴾} (البقرة:١٨٢)

''ہاں جس شخص کو یہ اندیشہ ہو کہ وصیّت کرنے والا بے جا طرف داری یا گناہ کا ارتکاب کر رہا ہے اور وہ ان کے درمیان اصلاح کر دے تو اس پر کوئی گناہ نہیں۔ بے شک اللہ تعالیٰ بہت بخشنے والا، بڑا مہربان ہے۔''

اگر اس میں کوئی قانونی رکاوٹ ہو تو اسے عدالت سے بھی منسوخ کرایا جاسکتا ہے۔

چونکہ وصیت کی تکمیل کا مرحلہ قرضوں کی ادائیگی کے بعد آتا ہے اس لئے قرضے ادا کرنے کے بعد جو مال باقی بچے گا اس کے ایک تہائی حصے تک وصیّت ہوگی نہ کہ سارے مال کے تہائی حصے میں۔ کیونکہ سارے مال کے تہائی میں وصیّت جاری کرنے سے ورثاء کا حصہ کم ہو جاتا ہے۔ فرض کریں ایک شخص جس کے ذمہ تین لاکھ روپیہ قرض تھا اور اس نے اپنے مال کے ایک تہائی حصے کی وصیت بھی کر رکھی تھی اور وہ بارہ لاکھ روپے ترکہ چھوڑ کر فوت ہوا۔ اب اگر قرض کی ادائیگی کے بعد باقی ماندہ مال کے تیسرے حصے میں وصیّت کی جائے تو وہ تین لاکھ ہوگا اور باقی چھ لاکھ ورثاء میں تقسیم ہوگا لیکن اگر وصیّت کے لئے سارے مال کا تیسرا حصہ نکالا جائے تو وہ چار لاکھ بنے گا اور قرض کی ادائیگی کے بعد ورثاء کے حصے میں پانچ لاکھ آئیں گے جو کہ پہلی صورت کی نسبت کم ہے۔ اس لئے یہ حکم ہے کہ ادائیگیوں کے بعد باقی ماندہ مال کے تیسرے حصے میں وصیّت جاری کی جائے تا کہ ورثاء کا حصہ کم نہ ہو۔

یہاں یہ بات بھی پیشِ نظر رہنی چاہیے کہ میّت کے ترکہ سے سب سے پہلے اس کے کفن ودفن کے اخراجات نکالنے چاہئیں، قرض کی ادائیگی اور وصیت کے اجراء کا مرحلہ اس کے بعد آتا ہے مگر قرآن نے تکفین وتدفین کے اخراجات وضع کرنے کا تذکرہ نہیں کیا۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ تکفین وتدفین ہر انسان کا بنیادی حق ہے، کفن کی وہی حیثیت ہے جو زندگی میں لباس کی ہوتی ہے، جس طرح زندگی میں اپنے مال پر انسان کا حق مقدّم ہے

اسی طرح موت کے بعد بھی اس کے لباس کا حق مقدم ہوگا۔

بہن بھائیوں کی قسمیں

سورۂ نساء کی مذکورہ بالا آیات میں بہن بھائیوں کا حصہ دو بار بیان ہوا ہے۔ ایک مرتبہ آیت ۱۲ میں اور دوسری بار آیت ۱۷۶ میں۔ تمام مفسّرین متفق ہیں کہ آیت ۱۲ میں جن بہن بھائیوں کا حصہ بیان ہوا ہے ان سے مراد میّت کے اَخیافی (ماں شریک) بہن بھائی ہیں، یعنی ایسے بہن بھائی جن کی ماں ایک ہو اور باپ علیحدہ علیحدہ ہوں۔ باقی رہے عینی اور علاّتی بہن بھائی یعنی جن کے ماں اور باپ ایک ہی ہوں یا مائیں الگ الگ ہوں اور باپ ایک ہی ہو تو ان کا حصہ سورۂ نساء کی آیت ۱۷۶ میں بیان کیا گیا ہے۔

آیت ۱۲ میں اخیافی بہن بھائی مراد لینے کی دو وجہیں ہیں۔ ایک تو یہ کہ آیت ۱۲ میں آیت ۱۷۶ کی نسبت کم حصہ بیان ہوا ہے۔ چنانچہ آیت ۱۲ میں $\frac{1}{6}$ اور $\frac{1}{3}$ جب کہ آیت ۱۷۶ میں $\frac{1}{2}$ اور $\frac{2}{3}$ حصے کا ذکر ہے، اس لئے آیت ۱۷۶ سے وہی بہن بھائی مراد ہو سکتے ہیں جن کا میّت کے ساتھ رشتہ زیادہ مضبوط ہو اور وہ ہیں جن کے ماں اور باپ ایک ہوں یا مائیں تو الگ الگ ہوں مگر باپ ایک ہے۔

دوسری وجہ یہ ہے آیت ۱۲ کی ایک قرأت میں وَلَهُ أَخٌ أَوْ أُخْتٌ کے بعد "مِنَ الْأُمِّ" کا لفظ بھی ہے جس کا مطلب ہے کہ میّت کا بھائی یا بہن ماں کی طرف سے ہو۔ ماں شریک بہن بھائی اگر ایک سے زائد ہوں تو ان کے مقررہ حصے سے مرد کو عورت سے دُگنا حصہ نہیں بلکہ مرد وعوت کو مساوی دیا جاتا ہے۔

کلالہ کا معنی

سورہ نساء کی ان آیات میں ایک لفظ "کلالہ" بھی ذکر ہوا ہے۔ عربی لغت میں کلالہ کا معنی ہے تھک جانا اور کمزور ہو جانا۔ علمِ میراث میں کلالہ اس شخص کو کہا جاتا ہے جس کے پیچھے اولاد اور والد، دونوں میں سے کوئی نہ ہو۔ چونکہ جس شخص کی اولاد ہو نہ والد، اسے معاشرے

میں کمزور سمجھا جاتا ہے اس لئے اسے کلالہ کہا جاتا ہے۔ بعض کے نزدیک کلالہ وہ وارث ہیں جن کے ساتھ میت کا رشتہ اولاد اور والد کا نہ ہو کیونکہ باپ بیٹے کی نسبت دوسرے رشتے بہر حال کمزور ہیں۔ دونوں صورتوں میں نتیجہ چونکہ ایک ہی رہتا ہے کہ وارث بہن بھائی ہوں گے ،اس لئے کلالہ میت کو قرار دیں یا وارثوں کو، اس سے عملی طور پر کوئی فرق نہیں پڑتا۔ البتہ اخیافی بہن بھائی کے حقِ وراثت کے اعتبار سے کلالہ کی تعریف میں تھوڑا سا فرق ضرور ہوگا۔ وہ یہ کہ ماں شرک بہن بھائیوں کے وارث ہونے کیلیے یہ شرط ہے کہ کلالہ کی بیٹی بھی نہ ہو، جب کہ باپ شریک بہن بھائیوں کے وارث ہونے کیلئے بیٹی کی عدم موجودگی شرط نہیں ہے۔ وہ میت کی بیٹی کی موجودگی میں بحیثیت عصبہ وارث ہوتے ہیں۔

ورثاء کی قسمیں

سورۃ نساء کی ان آیات میں دو قسم کے ورثاء کا ذکر ہوا ہے۔ ایک وہ جن کے حصے مقرر ہیں مثلاً آدھا یا چوتھا حصہ جیسے خاوند اور بیوی ہیں۔ علمِ میراث کی اصطلاح میں ایسے ورثاء کو اَصحابُ الفُروض کہا جاتا ہے اور دوسرے وہ ورثاء جن کے حصے مقرر نہیں ہیں۔ ان کے متعلق صرف اتنا کہا گیا ہے کہ فلاں فلاں رشتہ دار کو دینے کے بعد جو مال بچ جائے وہ ان کو دے دیا جائے جیسے بیٹا ہے۔ ان ورثاء کو عَصَبہ کہتے ہیں۔ اسلامی قانونِ وراثت کی رو سے ترکہ کی تقسیم اصحاب الفروض سے شروع کی جاتی ہے، اس لئے کہ رسول اللہ ﷺ کا فرمان ہے:

"أَلْحِقُوا الْفَرَائِضَ بِأَهْلِهَا فَمَا بَقِيَ فَهُوَ لأَوْلَي رَجُلٍ ذَكَرٍ"

(صحیح البخاری: باب میراث الولد من ابیہ وامہ)

"وراثت کے مقررہ حصے ان کے حق داروں کو دو پھر جو بچ جائے وہ میت کے قریب ترین مرد رشتہ دار کے لئے ہے۔"

دوسری وجہ یہ ہے کہ اگر پہلے عَصَبہ کو دیا جائے تو اصحاب الفروض محروم رہیں گے جیسا کہ آئندہ تفصیل سے معلوم ہوگا اور یہ قطعاً جائز نہیں ہے۔

اصحاب الفروض اور ان کے حصے

اصحاب الفروض میں خاوند، باپ، دادا، ماں شریک (اخیافی) بھائی، بیوی، بیٹی، پوتی، سگی بہن، باپ شریک (علاّتی) بہن، ماں شریک بہن، والدہ اور جدّہ شامل ہیں۔ عربی زبان میں جدّہ کا لفظ دادی اور نانی دونوں کیلئے استعمال ہوتا ہے۔ ان کے حصوں کی تفصیل حسبِ ذیل ہے۔

خاوند کا حصہ

خاوند کے حصہ لینے کی دو صورتیں ہیں۔

① فوت شدہ بیوی کا کوئی بیٹا، بیٹی یا پوتا، پوتی نیچے تک موجود ہو نہ ہو تو شوہر نصف ترکہ کا حقدار ہوگا۔ خواہ وہ بیٹا یا بیٹی موجودہ شوہر سے ہو یا سابقہ خاوند سے۔

② فوت شدہ بیوی کی موجودہ یا سابق شوہر سے کوئی بیٹا، بیٹی یا پوتا، پوتی نیچے تک موجود ہو تو خاوند کو ترکے کا چوتھا حصہ ملے گا۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

{ وَ لَكُمْ نِصْفُ مَا تَرَكَ اَزْوَاجُكُمْ اِنْ لَّمْ يَكُنْ لَّهُنَّ وَلَدٌ ۚ فَاِنْ كَانَ لَهُنَّ وَلَدٌ فَلَكُمُ الرُّبُعُ مِمَّا تَرَكْنَ مِنْۢ بَعْدِ وَصِيَّةٍ يُّوْصِيْنَ بِهَآ اَوْ دَيْنٍ ؕ } (النساء ۱۲)

"تمھاری بیویاں جو کچھ چھوڑ جائیں اس میں سے تمھیں نصف ملے گا اگر ان کی اولاد نہ ہو۔ اور اگر ان کی اولاد ہو تو تمھیں ان کے ترکے کا چوتھا حصہ ملے گا اس وصیّت کی ادائیگی کے بعد جو وہ کر گئی ہوں یا قرض کی ادائیگی کے بعد۔"

باپ کا حصہ

میّت کے باپ کے میراث پانے کی تین صورتیں ہیں۔

① اگر مرنے والے کی اپنی یا اس کے بیٹے کی اولاد میں سے نیچے تک کوئی موجود ہو تو باپ کو چھٹا حصہ ملے گا، اولاد خواہ لڑکے لڑکیاں ہوں یا صرف لڑکے۔

② فوت ہونے والے کی نہ اولاد زندہ اور نہ اس کے بیٹے کی نیچے تک کوئی اولاد

زندہ ہو تو اسے بحیثیت عصبہ باقی ماندہ ترکہ ملے گا۔ یعنی اس صورت میں اس کا کوئی حصہ متعین نہیں ہے بلکہ دوسرے اصحاب الفروض کو ان کے حصے دینے کے بعد بقیہ سارا مال اس کو دیا جائے گا۔

③ اگر میّت کی صرف مؤنث اولاد یعنی بیٹی یا پوتی نیچے تک ہو تو باپ کو چھٹا حصہ ملے گا اور دیگر اصحاب الفروض کو دینے کے بعد بچا ہوا مال بھی اسے دیا جائیگا۔ مثلاً ورثاء میں خاوند، بیٹی اور باپ ہو تو خاوند کو چوتھا، بیٹی کو نصف جب کہ باپ چھٹا حصہ اور وہ بحیثیت عصبہ باقی ماندہ بھی لے گا۔ کل جائیداد کے بارہ حصے کیے جائیں گے۔ تین خاوند، چھ بیٹی اور دو حصے باپ کو دیئے جائیں گے۔ جو ایک حصہ باقی بچے گا وہ بطور عصبہ دوبارہ باپ کو دے دیا جائیگا۔ ارشاد ربانی ہے:

{ وَلِاَبَوَیْهِ لِكُلِّ وَاحِدٍ مِّنْهُمَا السُّدُسُ مِمَّا تَرَكَ اِنْ كَانَ لَهٗ وَلَدٌ ۚ فَاِنْ لَّمْ یَكُنْ لَّهٗ وَلَدٌ وَّوَرِثَهٗۤ اَبَوٰهُ فَلِاُمِّهِ الثُّلُثُ ۚ فَاِنْ كَانَ لَهٗۤ اِخْوَةٌ فَلِاُمِّهِ السُّدُسُ مِنْۢ بَعْدِ وَصِیَّةٍ یُّوْصِیْ بِهَاۤ اَوْ دَیْنٍ ؕ } (النساء ۱۱)

”اور اگر میّت صاحبِ اولاد ہو تو اس کے والدین میں سے ہر ایک کو ترکے کا چھٹا حصہ دیا جائے، اگر اس کی اولاد نہ ہو اور والدین ہی اس کے وارث ہوں تو اس کی ماں کو تیسرا حصہ ملے گا، ہاں اگر اس کے کئی بھائی ہوں تو اس کی والدہ کو چھٹا حصہ دیا جائے گا۔ یہ حصے اس وصیت کے بعد ہیں جو مرنے والے نے کی ہو یا اس کے ذمے قرض ادائیگی کے بعد (اگر اس کے ذمے ہو)۔“

نبی ﷺ کا فرمان ہے:

”وراثت کے مقررہ حصے ان کے حق داروں کو دو، جو بچ جائے وہ میت کے سب سے زیادہ قریبی مرد کے لئے ہے۔“

دادے کا حصہ

جب میّت کا والد حیات ہو تو دادا کو میراث سے کوئی حصہ نہیں ملتا اور اگر والد حیات

نہ ہوتو دادا اس کے قائم مقام ہوگا اور اس کے حصہ پانے کی وہی تین صورتیں ہیں جو والد کی اوپر بیان ہوئی ہیں۔:

''حضرت ابوبکر، ابن عباس اور ابن زبیر رضی اللہ عنہم کہتے ہیں کہ باپ کی عدم موجودگی میں دادا کے وہی احکام ہیں جو باپ کے لیے ہیں۔ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ کہتے ہیں قرآن مجید میں دادا کو باپ کہا گیا ہے جیسے اللہ تعالیٰ نے فرمایا: اے آدم کے بیٹو! اور حضرت یوسف نے کہا: میں نے اپنے آبا ابراہیم اسحاق اور یعقوب کے دین کی پیروی کی ہے۔ (حالانکہ حضرت اسحاق اور ابراہیم ان کے باپ نہیں دادا ہیں) کسی صحابی سے ثابت نہیں کہ اس نے حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے دور میں دادا کو باپ کے قائم مقام قرار دینے میں ان کی رائے سے اختلاف کیا ہو حالانکہ ان کے زمانہ میں صحابہ بکثرت موجود تھے، گویا اس پر صحابہ کرام کا اجماع ہے۔''

(صحیح البخاری: الفرائض، باب میراث الجد مع الاب والاخوۃ)

حضرت عمران بن حصین رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

"أَنَّ رَجُلاً أَتَى النَّبِيَّ ﷺ فَقَالَ إِنَّ ابْنَ ابْنِي مَاتَ فَمَا لِي مِنْ مِيرَاثِهِ فَقَالَ لَكَ السُّدُسُ فَلَمَّا أَدْبَرَ دَعَاهُ فَقَالَ لَكَ سُدُسٌ آخَرُ فَلَمَّا أَدْبَرَ دَعَاهُ فَقَالَ إِنَّ السُّدُسَ الآخَرَ طُعْمَةٌ"

(سنن ابی داؤد: باب ماجاء فی میراث الجد)

''ایک شخص نبی ﷺ کے پاس آیا۔ اس نے کہا کہ میرا پوتا فوت ہوگیا ہے۔ مجھے اس کی میراث سے کیا ملے گا؟ آپ نے فرمایا تمھیں چھٹا حصہ ملے گا۔ جب واپس جانے لگا تو آپ نے اسے بلایا اور فرمایا باقی چھٹا حصہ بھی تیرے لئے ہے۔ جب وہ واپس جانے لگا تو آپ نے فرمایا دوسرا چھٹا حصہ تجھے بطور عصبہ دیا جاتا ہے۔''

اس مسئلہ کی توضیح یوں ہے کہ مرحوم کے پسماندگان میں دو بیٹیاں اور دادا ہی تھا۔ چونکہ مرحوم کی صرف مؤنث اولاد تھی اس لئے دادا باپ کی طرح صاحب فرض ہونے کے علاوہ عصبہ بھی بنتا تھا اس لیے آپؐ نے بیٹیوں کو دو تہائی ($\frac{2}{3}$) حصہ دینے کے بعد باقی ماندہ ایک تہائی ($\frac{1}{3}$) دادے کو دے دیا، چھٹا حصہ صاحب فرض ہونے کے ناتے اور چھٹا حصہ بحیثیت عصبہ، تاہم ایک تہائی ($\frac{1}{3}$) اکٹھا دینے کی بجائے دو حصوں میں الگ الگ دیا تا کہ سائل غلط فہمی میں پورے تہائی ($\frac{1}{3}$) کو اپنا حصہ نہ سمجھ لے۔

دادا کی میراث کے حوالے سے یہ سوال بھی بہت اہم ہے کہ اگر دادا کے ساتھ میّت کے سگے یا باپ شریک بہن بھائی بھی ہوں تو کیا وہ دادا کی وجہ سے محروم رہیں گے جیسا کہ باپ کی موجودگی میں ہوتا ہے یا کہ انہیں حصہ دیا جائیگا؟ اس کے جواب میں اہل علم میں دو آراء پائی جاتی ہیں۔

بعض اہل علم کے نزدیک دادا کی موجودگی میں میت کے بھائی کو بالکل محروم نہیں ہوں گے بلکہ وہ میراث میں دادے کے ساتھ شریک ہوں گے اور دادا کو بھی ایک بھائی کے برابر یا بعض صورتوں میں تیسرا یا چھٹا حصہ دیا جائیگا۔

جب کہ بعض اہل علم دادا کی موجودگی میں بھائیوں کو حصہ دینے کے قائل نہیں ہیں۔ ان کی رائے میں جس طرح باپ کی موجودگی میں بھائی محروم رہتے ہیں، اسی طرح دادا کی موجودگی میں بھی محروم رہنے چاہئیں۔ دلائل دونوں جانب موجود ہیں لیکن درج ذیل وجوہ کے باعث ان حضرات کا موقف زیادہ قوی معلوم ہوتا ہے جو دادا کی موجودگی میں بھائیوں کو حصہ دینے کے قائل نہیں ہیں۔

① امام بخاری رحمہ اللہ کے بقول اس پر تمام صحابہ کا اتفاق ہے کہ میّت کے والد کی عدم موجودگی میں دادا پر باپ کے احکام ہی جاری ہوں گے اور یہ بات بھی طے شدہ ہے کہ والد کی موجودگی میں بھائی محروم رہتے ہیں، لہٰذا دادا کی موجودگی میں بھائیوں کو حصہ نہیں ملے گا۔

② دادا کی موجودگی میں بھائیوں کو حصہ دینے کا طریقہ پیچیدہ اور الجھا دینے والا ہے اور اس کے بارے میں خود ان حضرات کی آراء باہم مختلف اور متعارض ہیں۔ کبھی دادا کو ایک بھائی کے برابر، کبھی چھٹے اور کبھی تیسرے حصے کا حقدار قرار دیا جاتا ہے۔ اگر میّت کی بہنیں ہوں تو دادے کو بہنوں کے لئے عصبہ بھی قرار دیا جاتا ہے حالانکہ دونوں کی جہتِ قرابت الگ الگ ہونے کی وجہ پر شریعت میں اس کی کوئی اساس ہی نہیں ہے۔ اس کے برعکس دادا کی موجودگی میں بھائیوں کو حصہ نہ دینے کا مسلک آسان اور تعارض سے پاک ہے۔ علامہ ابن قیم رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

''جو لوگ دادا کی موجودگی میں بھائیوں کو وارث قرار دیتے ہیں ان کے نقطہ نظر کے حق میں نہ تو کوئی نص ہے اور نہ ہی اجماع اور قیاس۔

علاوہ ازیں ان کے اقوال میں تناقض بھی ہے اور جو بھائیوں پر دادا کو ترجیح دیتے ہیں ان کو نص، اجماع اور قیاس کی تائید کا شرف حاصل ہے اور ان کے موقف میں تناقض بھی نہیں ہے۔'' (أعلام الموقعین: ج ۱، ص ۳۷۶)

③ اللہ تعالیٰ نے بھائیوں کو میراث دینے میں یہ شرط رکھی ہے کہ فوت ہونے والا کلالہ ہو یعنی اس کے ورثاء میں نہ بیٹا ہو اور نہ باپ۔ قرآن میں دادا کیلئے بھی باپ کا لفظ استعمال ہوا ہے جیسا کہ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کے حوالہ سے اوپر بیان ہوا ہے۔

④ اس پر سب متفق ہیں کہ پوتوں کی موجودگی میں بھائیوں کو حصہ نہیں ملنا چاہئے اس کا تقاضا یہ ہے کہ دادے کے ساتھ بھی ان کو حصہ نہ دیا جائے کیوں کہ دونوں صورتوں میں فرق کی کوئی واضح دلیل نہیں۔ یہی وجہ ہے حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ دادے کے ساتھ بھائیوں کو وارث قرار دینے پر حیرت کا اظہار کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

''یَرِثُنِي ابْنُ ابْنِي دُونَ إِخْوَتِي، وَلَا أَرِثُ أَنَا ابْنَ ابْنِي''

(صحیح البخاری: الفرائض، باب میراث الجد مع الاب والاخوة)

''پوتے کی موجودگی میں تو بھائی محروم لیکن دادا کی موجودگی میں وارث ہوں

یہ تفریق درست نہیں۔"

یہاں یہ امر بھی ملحوظ رہے کہ یہ اختلاف فقط سگے اور باپ شریک (علاتی) بھائیوں کے بارے میں ہے۔ ماں شریک (اخیافی) بھائیوں کے بارے میں سب متفق ہیں کہ وہ دادا کی موجودگی میں وارث نہیں ہوں گے۔

ماں شریک بہن، بھائیوں کا حصّہ

ماں شریک بہن یا بھائیوں کے وراثت میں شریک ہونے کے احکام درج ذیل ہیں۔

① میّت کا بیٹا، بیٹی پوتا، پوتی نیچے تک یا باپ اور دادے میں سے اوپر تک کوئی موجود ہو تو ماں شریک بہن بھائی حصہ نہیں لے سکتے۔

② اگر ماں شریک بہن یا بھائی ایک ہو تو اس کے لیے چھٹا حصہ اور اگر دو یا دو سے زائد ہوں خواہ سب بھائی ہوں یا سب بہنیں یا دونوں ملے جلے ہوں تو ان کو تیسرا حصہ دیا جائے گا اور اس میں مذکر و مؤنث برابر کے حقدار ہوں گے جیسا کہ قرآن پاک میں ارشاد ہے:

{ وَاِنْ كَانَ رَجُلٌ يُّوْرَثُ كَلٰلَةً اَوِ امْرَاَةٌ وَّلَهٗٓ اَخٌ اَوْ اُخْتٌ فَلِكُلِّ وَاحِدٍ مِّنْهُمَا السُّدُسُ ۚ فَاِنْ كَانُوْٓا اَكْثَرَ مِنْ ذٰلِكَ فَهُمْ شُرَكَاۗءُ فِي الثُّلُثِ مِنْۢ بَعْدِ وَصِيَّةٍ يُّوْصٰى بِهَآ اَوْ دَيْنٍ ۙ } (النساء ۱۲)

"اور اگر وہ مرد یا عورت (جس کی میراث تقسیم ہونی ہے) کلالہ ہو لیکن اس کا ایک بھائی یا ایک بہن موجود ہو تو بھائی اور بہن ہر ایک کو چھٹا حصہ ملے گا اور اگر وہ بھائی بہن ایک سے زائد ہوں تو جو وصیّت کی گئی ہو وہ پوری کرنے اور قرض کی ادائیگی کے بعد وہ تیسرے حصے میں شریک ہوں گے۔"

امام زہری رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

"حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فیصلہ فرمایا کہ ماں شریک بہن بھائیوں کا حصہ ان کے مردوں اور عورتوں میں مساوی تقسیم ہوگا۔ امام زہری کہتے ہیں میرے خیال

میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے یہ فیصلہ اللہ کے رسول ﷺ سے سن کر ہی کیا ہوگا اس آیت کی وجہ سے جس میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ اگر وہ ایک سے زائد ہوں تو تیسرے حصے میں وہ سب شریک ہوں گے۔"

(تفسیر ابن کثیر: ج ۱، ص ۶۰۱)

اس میں حکمت ہے کہ ماں شریک بہن، بھائیوں کا آپس میں رشتہ صرف والدہ کی جانب سے ہوتا ہے جس میں وہ سب برابر ہوتے ہیں لہٰذا ان کا آپس میں حصہ بھی یکساں ہوگا جب کہ حقیقی اور باپ شریک بہن، بھائی والد سے قرابت کی وجہ سے حصہ پاتے ہیں اس لئے ان کے مذکر و مؤنث کے حصے میں فرق ہوتا ہے۔ چونکہ ماں شریک بھائی اور بہن دونوں کے احکام یکساں ہے اس لئے ماں شریک بہن کا الگ ذکر نہیں کیا جائیگا۔

بیوی کا حصہ:

خاوند کی طرح بیوی کے حقِ میراث کی بھی دو صورتیں ہیں۔

① جب فوت شدہ شخص کی اپنی یا اس کے بیٹے کی اولاد نیچے تک موجود ہو تو بیوہ کو ترکے کا آٹھواں حصہ ملتا ہے۔

② جب فوت شدہ شخص کی اپنی یا اس کے بیٹے کی اولاد نیچے تک موجود نہ ہو تو بیوہ کو ترکے سے چوتھا حصہ دیا جاتا ہے۔ فرمان باری تعالیٰ ہے:

{ وَلَهُنَّ الرُّبُعُ مِمَّا تَرَكْتُمْ إِنْ لَّمْ يَكُنْ لَّكُمْ وَلَدٌ ۚ فَإِنْ كَانَ لَكُمْ وَلَدٌ فَلَهُنَّ الثُّمُنُ مِمَّا تَرَكْتُمْ مِّنْ بَعْدِ وَصِيَّةٍ تُوصُونَ بِهَا أَوْ دَيْنٍ }

(النساء ۱۲)

"اور بیویاں تمھارے ترکے کے چوتھے حصے کی حق دار ہوں گی بشرط کہ تمھاری کوئی اولاد نہ ہو اور اگر تمھاری کوئی اولاد ہو تو ان کو آٹھواں حصہ ملے گا اس وصیّت کے بعد جو تم نے کی ہو قرض کی ادائیگی کے بعد۔"

اگر کسی شخص کی ایک سے زائد بیویاں ہوں تب بھی ان کو آٹھواں اور چوتھا حصہ

ہی ملے گا جو ان میں مساوی تقسیم ہوگا۔ اس لئے کہ اگر ہر بیوی کو الگ الگ چوتھا حصہ دیا جائے اور وہ چار ہوں تو وہ سارا ترکہ سمیٹ لیں گی، دوسرے ورثاء کے لئے کچھ نہیں بچے گا جو کہ غلط ہے۔

بیٹیوں کا حصّہ

اگر کسی شخص کی اولاد میں بیٹیاں بھی ہوں اور بیٹے بھی تو اصحاب الفروض (اگر کوئی موجود ہو) کو ان کا حصہ دے کر باقی ترکہ ان کے درمیان اس طرح تقسیم ہوگا کہ بیٹے کو دو حصے اور بیٹی کو ایک حصہ ملے گا۔

اگر صرف بیٹیاں ہی ہوں تو وہ یا تو ایک ہوگی یا پھر ایک سے زائد۔ اگر صرف ایک بیٹی ہو تو اس کو کل مال کا نصف ملے گا اور باقی نصف دوسرے ورثاء میں اُن کے حصوں کے حساب سے تقسیم ہوگا۔ اگر بیٹیاں ایک سے زائد ہوں تو ان کو کل ترکہ کا دو تہائی ($\frac{2}{3}$) حصہ ملے گا جب کہ باقی ایک تہائی ($\frac{1}{3}$) دیگر ورثاء کو اُن کے حصوں کے مطابق تقسیم ہوگا۔ ارشاد ربانی ہے:

{ يُوْصِيْكُمُ اللّٰهُ فِيْٓ اَوْلَادِكُمْ ۤ لِلذَّكَرِ مِثْلُ حَظِّ الْاُنْثَيَيْنِ ۚ فَاِنْ كُنَّ نِسَآءً فَوْقَ اثْنَتَيْنِ فَلَهُنَّ ثُلُثَا مَا تَرَكَ ۚ وَ اِنْ كَانَتْ وَاحِدَةً فَلَهَا النِّصْفُ ؕ } (النساء:١١)

”اللہ تمھیں تمھاری اولاد کے بارے میں حکم دیتا ہے کہ ایک بیٹے کا حصہ دو بیٹیوں کے برابر ہے اور اگر (میت کی وارث دو، یا) دو سے زائد بیٹیاں ہوں تو مرنے والے نے جو کچھ چھوڑا ہو انہیں اس کا دو تہائی ($\frac{2}{3}$) ملے گا اور اگر صرف ایک بیٹی وارث ہو تو اسے نصف ($\frac{1}{2}$) ملے گا۔“

فائدہ: مرنے والے کی اولاد میں صرف بیٹیاں ہوں تو جو حصہ دو سے زائد بیٹیوں کا ہے وہی دو بیٹیوں کا ہے مگر قرآن نے دو بیٹیوں کا حکم بیان نہیں کیا، صرف یہ کہا ہے کہ بیٹی ایک ہو تو نصف جائیداد اور اگر دو سے زائد ہوں تو وہ دو تہائی ($\frac{2}{3}$) مال کی حقدار ہوں

گی۔اس کا جواب یہ ہے کہ دو کا حکم قرآن کے ان الفاظ:

{ وَإِنْ كَانَتْ وَاحِدَةً فَلَهَا النِّصْفُ }

"اگر صرف ایک بیٹی وارث ہو تو اسے نصف ($\frac{1}{2}$) ملے گا۔"

سے معلوم ہو رہا ہے کہ جب بیٹیاں ایک سے زائد ہوں گی تو ان کا حصہ بھی نصف سے زائد ہوگا اور نصف ($\frac{1}{2}$) سے زائد دو تہائی ($\frac{2}{3}$) ہی ہے کیوں کہ قرآن نے بیٹیوں کا زیادہ سے زیادہ حصہ دو تہائی ($\frac{2}{3}$) ہی رکھا ہے۔علاوہ ازیں اس سے پہلے قرآن کا یہ بھی ارشاد ہے:

{ لِلذَّكَرِ مِثْلُ حَظِّ الْأُنْثَيَيْنِ }

"کہ ایک بیٹے کا حصہ دو بیٹیوں کے برابر ہے۔"

چنانچہ اگر کسی مرنے والے کے ورثاء میں صرف ایک بیٹا اور ایک بیٹی ہو تو اس کی جائیداد کے تین حصے ہوں گے، دو حصے بیٹے کو اور ایک حصہ بیٹی کو ملے گا۔اب بیٹے کے دو حصے متروکہ جائیداد کے دو تہائی ہیں اور قرآن کہتا ہے کہ ایک بیٹے کا حصہ دو بیٹیوں کے مساوی ہے جس سے یہ بات از خود ثابت ہو گئی کہ دو بیٹیوں کا حصہ بھی دو تہائی ہی ہے۔

امام ابن کثیر رحمہ اللہ لکھتے ہیں:

"دو بیٹیوں کے لئے دو تہائی حصہ سورۂ نساء کی آخری آیت میں دو بہنوں کے حصے سے لیا گیا ہے، کیوں کہ اس میں اللہ تعالیٰ نے دو بہنوں کا حصہ دو تہائی ($\frac{2}{3}$) بیان کیا ہے اور جب دو بہنیں دو تہائی ($\frac{2}{3}$) کی وارث ہوں گی تو دو بیٹیاں بطریق اَولیٰ دو تہائی ($\frac{2}{3}$) کی وارث ہوں گی۔"

(تفسیر ابن کثیر: ج ۱، ص ۵۹۸)

اگر کسی شخص کی اولاد صرف ایک یا ایک سے زائد بیٹے ہی ہوں تو وہ عصبہ ہوں گے یعنی اصحاب الفروض مثلاً بیوہ یا والدین میں سے اگر کوئی موجود ہو تو ان کا حصہ دینے کے بعد باقی سارا مال ان میں مساوی طور پر تقسیم ہوگا جیسے کسی شخص کے ورثاء میں بیوہ اور سات بیٹے ہوں تو جائیداد کے آٹھ حصے ہوں گے ایک حصہ بیوہ کو اور سات حصے سات

بیٹوں میں برابر تقسیم ہوں گے۔

ذیل میں بیٹی کے حصے کی مثالیں ملاحظہ فرمائیں۔

۞ خاوند، ایک بیٹا اور ایک بیٹی۔ متروکہ جائیداد کے چار حصے ہوں گے۔ ایک خاوند کو اور باقی تین میں سے دو بیٹے اور ایک بیٹی کو دیا جائے گا۔

۞ بیوی، بیٹی اور دو بھائی۔ اس صورت میں ترکے کے آٹھ حصے ہوں گے۔ آٹھواں یعنی ایک حصہ بیوی، چار جو کہ کل جائیداد کا نصف ہیں بیٹی اور باقی تین حصے دو بھائیوں کیلئے ہوں گے۔

۞ بیوہ، چار بیٹیاں اور ایک چچازاد بھائی۔ تمام منقولہ و غیر منقولہ جائیداد کے چوبیس حصے کیے جائیں۔ تین حصے بیوہ، دو تہائی جو کہ سولہ بنتے ہیں چار بیٹیوں اور باقی پانچ چچازاد بھائی کو ملے گے۔

یاد رہے کہ شادی کے موقع پر بیٹی کو دیئے گئے تحائف اس کے حصے سے منہا نہیں کیے جائیں گے۔

پوتیوں کا حصّہ

پوتیاں بھی بیٹیوں کے حکم میں ہیں تاہم اگر میّت کا کوئی بیٹا موجود ہو تو اس کی پوتیاں میراث کی حقدار نہیں ہوں گی اس لئے کہ بیٹا بذات خود عصبہ ہے اور پوتیوں کی نسبت میّت کے قریب ہے لہٰذا اس کی موجودگی میں پوتیوں کا حق ساقط ہو جائے گا۔

اسی طرح اگر میّت کی اولاد میں صرف بیٹیاں ہوں اور وہ ایک سے زائد ہوں تب بھی پوتیوں کو کچھ نہیں ملے گا۔ مثلاً وارث دو بیٹیاں، ایک پوتی اور والد ہو تو بیٹیوں کو دو تہائی ($\frac{2}{3}$) اور باقی سارا ترکہ باپ کو ملے گا، پوتی محروم رہے گی، کیونکہ شریعت مُطہّرہ نے بیٹیوں کا زیادہ سے زیادہ حصہ دو تہائی ($\frac{2}{3}$) رکھا ہے جو صلبی بیٹیوں کے لیے ہیں، لہٰذا پوتیاں محروم رہیں گی۔ ہاں اگر ان کے ساتھ میّت کا کوئی پوتا ہو، خواہ وہ ان پوتیوں کا بھائی

ہو یا ان کے چچا کا بیٹا، خواہ ان کے مساوی درجہ کا ہو یا ان سے نیچے درجے کا، مثلاً میّت کی دو بیٹیاں، ایک پوتی اور پوتا یا دو بیٹیاں، ایک پوتی اور پڑوتا ہو تو اس صورت میں پوتی کا کوئی متعین حصہ تو نہیں ہوگا تاہم یہ عصبات میں شامل ہوں گی کہ بیٹیوں اور دیگر ورثاء سے باقی ماندہ ترکہ ان کے درمیان اس طرح تقسیم ہوگا کہ مذکر کو مؤنث سے دوگنا حصہ دیا جائے گا۔ چنانچہ بیٹیوں کا دوتہائی حصہ نکالنے کے بعد بچا ہوا ترکہ پوتی اور پوتے یا پوتی اور پڑوتے کے درمیان مذکر کو دو اور مؤنث کو ایک حصہ کے حساب سے تقسیم ہوگا۔

لیکن جب میّت کا نہ تو کوئی صلبی بیٹا موجود ہو اور نہ دو یا دو سے زائد بیٹیاں ہوں تو پوتیوں کے حصے کی ممکنہ صورتیں یہ ہوں گی۔

❁ اگر صرف ایک پوتی ہو تو نصف ترکے اور اگر ایک سے زائد ہوں تو بیٹیوں کی طرح دوتہائی ($\frac{2}{3}$) کی مستحق ہوں گی بشرطیکہ ان کے ساتھ میّت کا کوئی پوتا موجود نہ ہو اگر ان کے ساتھ میّت کا کوئی پوتا ہو، خواہ وہ ان پوتیوں کا بھائی ہو یا چچا کا بیٹا تو وہ ان کو عصبات میں شامل کر دے گا جس طرح کہ بیٹوں کے ساتھ مل کر بیٹیاں عصبات میں شامل ہو جاتی ہیں اور دیگر ورثاء کو دینے کے بعد باقی ماندہ ترکہ ان پوتوں اور پوتیوں میں "مرد کو عورت کے مقابلے دوگنا" کے اصول کے تحت تقسیم ہوگا۔

❁ اگر ورثاء میں میّت کی ایک بیٹی اور پوتی یا کئی پوتیاں ہوں تو بیٹی کو نصف ترکہ اور پوتی یا پوتیوں کو مجموعی طور پر چھٹا حصہ دیا جائے گا تاکہ بیٹیوں کا زیادہ سے زیادہ حصہ دو تہائی ($\frac{2}{3}$) مکمل ہو جائے۔ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کا بیان ہے:

"قَضَى النَّبِيُّ ﷺ لِلِابْنَةِ النِّصْفُ وَلِابْنَةِ ابْنِ السُّدُسُ تَكْمِلَةَ الثُّلُثَيْنِ وَمَا بَقِيَ فَلِلأُخْتِ"

(صحیح البخاری: الفرائض، باب میراث ابنة ابن مع ابنة)

"نبی ﷺ نے بیٹی کو نصف اور پوتی کو چھٹا حصہ دیا تاکہ دوتہائی ($\frac{2}{3}$) مکمل ہو جائے اور جو باقی بچا وہ بہن کو دے دیا۔"

یعنی بیٹیوں کا زیادہ سے زیادہ حصہ دوتہائی ($\frac{2}{3}$) ہے۔ جب نصف ایک بیٹی کو دے دیا گیا تو دوتہائی ($\frac{2}{3}$) میں سے صرف چھٹا حصہ باقی رہ گیا جو کہ پوتی کا حق ہے مگر شرط یہ ہے کہ پوتی کے ساتھ میت کا کوئی ایسا پوتا نہ ہو جو اس کو عصبات میں شامل کر دے کیوں کہ اس صورت میں یہ عصبہ کی حیثیت سے وارث ہوتی ہے۔

پوتے، پڑوتے اور پڑپوتے کی بیٹیاں بھی پوتیوں میں شامل ہیں۔

سگی بہنوں کا حصہ

جب کسی شخص کی وفات کے وقت اس کا کوئی بیٹا یا پوتا نیچے تک یا باپ اور دادا اوپر تک زندہ ہوں تو اس کے بہن بھائیوں کا حصہ نہیں بنتا جیسا کہ پیچھے بیان ہو چکا ہے۔ میراث میں متوفی کے بہن، بھائیوں کا استحقاق اسی وقت پیدا ہوتا ہے جب ان (بیٹا، پوتا یا باپ، دادا) میں سے کوئی بھی بقید حیات نہ ہو۔ ان کی عدم موجودگی میں سگی بہن کے حصہ پانے کی صورتیں یہ ہیں۔

❁ سگی بہن اگر ایک ہو تو نصف ترکہ کی حقدار ہوگی اور اگر دو یا دو سے زائد ہوں تو دوتہائی کی وارث ہوں گی لیکن اگر ان کے ساتھ کوئی سگا بھائی بھی ہو تو یہ عصبہ ہوں گی اور مال ان کے درمیان اس طرح تقسیم ہوگا کہ بھائی کو دو حصے اور بہن کو ایک حصہ ملے گا جیسا کہ سورۂ نساء کی آخری آیت میں ہے:

{ يَسْتَفْتُونَكَ ؕ قُلِ اللّٰهُ يُفْتِيكُمْ فِي الْكَلٰلَةِ ؕ اِنِ امْرُؤٌا هَلَكَ لَيْسَ لَهٗ وَلَدٌ وَّ لَهٗۤ اُخْتٌ فَلَهَا نِصْفُ مَا تَرَكَ ۚ وَهُوَ يَرِثُهَاۤ اِنْ لَّمْ يَكُنْ لَّهَا وَلَدٌ ؕ فَاِنْ كَانَتَا اثْنَتَيْنِ فَلَهُمَا الثُّلُثٰنِ مِمَّا تَرَكَ ؕ وَ اِنْ كَانُوْۤا اِخْوَةً رِّجَالًا وَّ نِسَآءً فَلِلذَّكَرِ مِثْلُ حَظِّ الْاُنْثَيَيْنِ ؕ يُبَيِّنُ اللّٰهُ لَكُمْ اَنْ تَضِلُّوْا ؕ وَ اللّٰهُ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيْمٌ ﴿۱۷۶﴾ }

"(اے پیغمبر) یہ لوگ تم سے کلالہ کے بارے میں پوچھتے ہیں۔ کہہ دو اللہ تمھیں کلالہ کے متعلق حکم دیتا ہے کہ اگر کوئی شخص اس حال میں فوت ہو جائے

کہ اس کی اولاد نہ ہو اور اس کی ایک بہن ہو تو وہ اس کے ترکے سے نصف پائے گی اور اگر بے اولاد بہن فوت ہو جائے تو بھائی اس کا وارث ہو گا، اگر میت کی وارث دو بہنیں ہوں تو وہ بھائی کے ترکے میں سے دو تہائی کی حق دار ہوں گی۔ اگر مرنے والے کے بھائی ہوں اور بہنیں بھی تو ایک مرد کو دو عورتوں کے برابر حصہ ملے گا۔ اللہ تمھارے لئے احکام واضح کرتا ہے تا کہ تم بھٹکتے نہ پھرو اور اللہ ہر چیز کا علم رکھتا ہے۔''

❁ اگر سگی بہن کے ساتھ میّت کی ایک یا ایک سے زائد بیٹی یا پوتی ہو تو بہن عصبہ ہو گی کہ بیٹی یا پوتی کو ان کا مقررہ حصہ دینے کے بعد باقی بہن کو دے دیا جائے گا جیسا کہ صحیح بخاری میں سیدنا عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے مروی ہے:

((قَضَی النَّبِيُّ ﷺ لِلاِبْنَةِ النِّصْفُ وَلاِبْنَةِ ابْنٍ السُّدُسُ تَكْمِلَةَ الثُّلُثَيْنِ وَمَا بَقِيَ فَلِلأُخْتِ))

(صحیح البخاري: الفرائض، باب میراث ابنۃ ابن مع ابنۃ)

''نبی ﷺ نے بیٹی کو نصف اور پوتی کو چھٹا حصہ دیا تا کہ دو تہائی ($\frac{2}{3}$) مکمل ہو جائے اور جو باقی بچا وہ بہن کو دے دیا۔''

اگر اس کے ساتھ کوئی اور سگی بہن ہو تو یہ باقی ماندہ ترکہ وہ آپس میں برابر تقسیم کر لیں گی۔

باپ شریک بہنوں کا حصہ

ان کے حصہ پانے کی صورتیں یہ ہیں۔

❁ متوفی کا بیٹا، پوتا نیچے تک یا باپ دادے میں سے اوپر تک کوئی ایک بقیدِ حیات ہو تو باپ شریک بہنیں وراثت کی حقدار نہیں ہوں گی۔

❁ اسی طرح متوفی کا سگا بھائی موجود ہو تب بھی باپ شریک بہن حصہ نہیں لے سکتی کیوں کہ حقیقی بھائی باپ شریک بہن سے میّت کے زیادہ قریب ہے اور ذاتی طور پر عصبہ ہے جو اصحاب الفروض سے بچے ہوئے سارے مال کا حق دار ہوتا ہے جس کے بعد باپ

شریک بہن کے لئے کچھ نہیں بچتا۔ مثلاً بیوہ، سگا بھائی اور باپ شریک بہن ہو تو چوتھا حصہ بیوی کو دے کر باقی سارا ترکہ بھائی کو دیا جائے گا، باپ شریک بہن محروم رہے گی۔

❁ دو یا دو سے زائد سگی بہنیں موجود ہوں تب بھی باپ شریک بہنیں فرضی حصہ سے محروم رہتی ہیں کیوں کہ بہنوں کا زیادہ سے زیادہ حصہ دو تہائی ہوتا ہے۔ جب حقیقی بہنیں دو تہائی حصہ لے چکیں تو باپ شریک بہنوں کے لئے کچھ نہیں ہوگا، لہٰذا وہ محروم رہیں گی۔ مثلاً دو سگی بہنیں، چچا اور باپ شریک بہن ہو تو سگی بہنوں کو دو تہائی دینے کے بعد باقی ترکہ چچا کو ملے گا، باپ شریک بہن محروم رہے گی۔

❁ ہاں اگر باپ شریک بہن کے ساتھ اس کا بھائی بھی موجود ہو تو پھر وہ دو سگی بہنوں کی موجودگی میں بھی بحیثیت عصبہ وارث ہوگی یعنی سگی بہنوں کا دو تہائی حصہ نکال کر باقی ترکہ باپ شریک بہن، بھائیوں میں اس طرح تقسیم ہوگا کہ بھائی کو دو حصے اور بہن کو ایک حصہ ملے گا۔ مثلاً کسی میت کی دو سگی بہنیں، ایک باپ شریک بہن اور ایک باپ شریک بھائی ہو تو ترکہ کا دو تہائی دو سگی بہنوں کو اور باقی مال میں سے دو حصے باپ شریک بھائی اور ایک حصہ باپ شریک بہن کو ملے گا۔

❁ لیکن اگر باپ شریک بہن یا بہنوں کے ساتھ مرنے والے کی ایک ہی سگی بہن ہو جس نے نصف حصہ لے لیا ہو تو اس صورت میں باپ شریک بہن یا بہنوں کو چھٹا حصہ ملتا ہے تاکہ بہنوں کا دو تہائی حصہ مکمل ہو جائے۔

❁ جب میت کی اولاد یا باپ، دادا اوپر تک یا سگے بہن بھائیوں میں سے کوئی موجود نہ ہو تو باپ شریک بہن اگر ایک ہو تو نصف ترکے اور دو یا دو سے زائد ہوں تو مجموعی طور پر دو تہائی ترکہ کی حق دار ہوں گی اور اگر ان کا بھائی بھی ہو تو پھر وہ عصبہ ہوگی۔ اصحاب الفروض میں سے جو موجود ہو اس کو مقررہ حصہ دینے کے بعد باقی ان میں اس طرح تقسیم ہوگا کہ بھائی کو دو حصے اور بہن کو ایک حصہ ملے گا۔

❁ اگر میّت کی بیٹی یا پوتی نیچے تک موجود ہو تو بھی باپ شریک بہن عصبہ ہو گی یعنی بیٹی یا پوتی کو حصہ دینے کے بعد جو مال بچے وہ اس کو ملے گا۔

والدہ کا حصہ

میّت کی ماں کے حصہ پانے کی تین صورتیں ہیں۔

① جب میّت کا بیٹا، بیٹی، پوتا، پوتی نیچے تک میں سے کوئی یا اسکے سگے، علاتی یا اخیافی دو یا دو سے زائد بہن بھائی زندہ ہوں خواہ وہ دونوں بھائی ہوں یا بہنیں یا بہن بھائی ملے جلے، خواہ بہن بھائی خود وارث ہوں یا نہ ہوں تو والدہ کو چھٹا حصہ دیا جاتا ہے۔ ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

{ وَلِاَبَوَيْهِ لِكُلِّ وَاحِدٍ مِّنْهُمَا السُّدُسُ مِمَّا تَرَكَ اِنْ كَانَ لَهٗ وَلَدٌ ۚ } (النساء:۱۱)

''اور اگر میّت صاحب اولاد ہو تو اس کے والدین میں سے ہر ایک کیلئے ترکہ کا چھٹا حصہ ہے۔''

{ فَاِنْ كَانَ لَهٗٓ اِخْوَةٌ فَلِاُمِّهِ السُّدُسُ } (النساء:۱۱)

''اگر اس (میّت) کے کئی بہن بھائی ہوں تو اس کی والدہ کیلئے چھٹا ہے۔''

② جب میّت کی اولاد میں سے کوئی نہ ہو یا اس کے ایک سے زیادہ بہن بھائی نہ ہو تو والدہ کو کل جائیداد کا تیسرا حصہ دیا جائے گا۔ فرمان الٰہی ہے:

{ فَاِنْ لَّمْ يَكُنْ لَّهٗ وَلَدٌ وَّوَرِثَهٗٓ اَبَوٰهُ فَلِاُمِّهِ الثُّلُثُ ۚ فَاِنْ كَانَ لَهٗٓ اِخْوَةٌ فَلِاُمِّهِ السُّدُسُ } (النساء:۱۱)

''اگر اس کی اولاد نہ ہو اور والدین ہی اس کے وارث ہوں تو اس کی ماں کے لیے تیسرا حصہ ہے، ہاں اگر اس کے کئی بہن بھائی ہوں تو اس کی والدہ کیلئے چھٹا ہے۔''

③ والدہ کے حصہ پانے کی تیسری صورت یہ ہے کہ خاوند یا بیوی میں سے جو زندہ

ہو اس کا فرض حصہ نکال کر جو باقی بچے والدہ کو اس کا تیسرا حصہ ملے گا۔ ماں کو یہ حصہ صرف دو صورتوں میں ملتا ہے۔

① بیوی فوت ہوئی ہو تو خاوند، باپ اور ماں وارث ہوں۔

② شوہر نے وفات پائی ہو تو بیوی، باپ اور ماں وارث ہوں۔

پہلی صورت میں متروکہ جائیداد کے چھ حصے کیے جائیں گے، جن میں سے تین شوہر کو اور بقیہ تین کا تیسرا حصہ یعنی ایک والدہ اور دو باپ کو ملیں گے ۔ جب کہ دوسری صورت میں ترکے کے چار حصے ہوں گے، چوتھا یعنی ایک حصہ بیوی کو دینے کے بعد باقی تین حصے رہے ، ان کا تہائی جو کہ ایک حصہ ہے والدہ کو اور بقیہ دو باپ کو ملیں گے۔ ان دونوں مسائل کو "عُمَرِیتین" کہتے ہیں کیوں کہ یہ فیصلہ سب سے پہلے حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے کیا تھا اور یہ فیصلہ انہوں نے قرآن کی روشنی میں ہی کیا۔ کیوں کہ جب کسی شخص کی اولاد نہ ہو اور اس کے والدین زندہ ہوں تو قرآن نے ماں کو تیسرا حصہ دینے کا حکم دیا ہے لہٰذا جب والدین کے ساتھ خاوند یا بیوی میں سے کوئی موجود ہو تو اس کا حصہ نکال کر جو مال ان دونوں کے حصے میں آئے اس کا تیسرا حصہ ہی والدہ کو ملنا چاہیے۔

علاوہ ازیں قیاس کا بھی یہی تقاضا ہے کہ ان صورتوں میں والدہ کو شوہر یا بیوی کا حصہ منہا کر کے باقی ماندہ کا تیسرا حصہ دیا جائے کیوں کہ جب کسی مسئلہ میں یکساں درجہ کے مذکر و مؤنث جمع ہوں تو مذکر کو مؤنث سے دوگنا یا دونوں کو برابر ملتا ہے۔ اگر ان صورتوں میں والدہ کو کل ترکے کا تیسرا حصہ دیا جائے تو یہ قاعدہ ٹوٹ جاتا ہے کہ پہلی صورت میں والدہ کو چھ کا تیسرا حصہ دینے کے بعد والد کے لئے صرف ایک بچتا ہے جو کہ والدہ کے حصے کا نصف ہے جب کہ دوسری صورت میں بھی یہ تناسب قائم نہیں رہتا جو کہ قواعدِ وراثت کے خلاف ہے۔ یہی وجہ ہے کہ اگر ان دونوں صورتوں میں باپ کی جگہ پر دادا ہو تو ماں کو پورے ترکے میں سے تیسرا حصہ دیا جائے گا کیوں کہ دادے کی نسبت

ماں کا درجہ زیادہ قریب ہے لہٰذا وہ اس کے حق میں کمی نہیں کرسکتا۔

دادی اور نانی کے احکام

عربی زبان میں دادی اور نانی کو خواہ وہ کتنے ہی اوپر کے درجہ میں ہو جدّہ کہا جاتا ہے یعنی بلاواسطہ دادی اور نانی کے علاوہ بالواسطہ دادی اور نانی بھی جدّہ میں شامل ہے جیسے دادے کی ماں یا والدہ کی نانی ہے لیکن میراث کی حقدار وہی جدّہ ہوتی ہے جس کا میت کے ساتھ رشتہ کسی ایسے شخص کے واسطے سے ہو جو ورثاء کی فہرست میں شامل ہو جیسے میّت کے والد، دادے اور والدہ کی مائیں ہیں کہ ان کا میّت کے ساتھ تعلق والد، دادے اور والدہ کے واسطے سے ہوتا ہے جو ورثاء میں شامل ہیں۔ جس جدّہ کا میّت کے ساتھ تعلق غیر وارث کے ذریعے ہو وہ حصہ نہیں لے سکتی اور یہ وہ جدہ ہوتی ہے کہ اس کے اور میّت کے درمیان ماں کا والد واسطہ ہوتا ہے۔ مثلاً نانے کی ماں یا نانی کے باپ کی ماں یا نانے کی والدہ کی ماں ہے کہ ان کا میت کے ساتھ رشتہ نانے کے ذریعے ہی قائم ہے اور وہ ورثاء میں شامل نہیں۔

جب میّت کی والدہ زندہ ہو تو دادی اور نانی میں سے کسی کو حصہ نہیں ملتا جیسا کہ حضرت بریدہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے:

"أَنَّ النَّبِيَّ ﷺ جَعَلَ لِلْجَدَّةِ السُّدُسَ إِذَا لَمْ يَكُنْ دُونَهَا أُمٌّ رَوَاهُ أَبُو دَاوُدَ وَالنَّسَائِيُّ وَصَحَّحَهُ ابْنُ خُزَيْمَةَ وَابْنُ الْجَارُودِ وَقَوَّاهُ ابْنُ عَدِيٍّ" (بلوغ المرام: باب الفرائض)

"نبی ﷺ نے جدہ کے لئے چھٹا حصہ مقرر کیا ہے جبکہ میّت کی ماں نہ ہو۔"

اس کی وجہ یہ ہے کہ دادی اور نانی کی نسبت ماں میّت کے زیادہ قریب ہے اور یہ طے شدہ اصول ہے کہ قریب کے رشتے دار کی موجودگی میں دور کا رشتے دار وراثت کا حقدار نہیں ہوگا۔ اور جب میّت کی والدہ زندہ نہ ہو اور دادی اور نانی میں سے کوئی ایک ہو تو وہ چھٹا حصہ لے گی اور اگر دونوں ہوں تو وہ چھٹے حصے میں برابر کی شریک

ہوں گی جیسا کہ سنن ترمذی میں ہے:

"حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ کے پاس ایک نانی حاضر ہوئی جو آپ سے اپنی میراث کے بارے میں پوچھ رہی تھی انہوں نے فرمایا:

کتاب اللہ میں تیرا کوئی حصہ نہیں بنتا اور اس کے متعلق مجھے سنت سے بھی کچھ نہیں ملتا لہٰذا واپس چلی جاؤ۔ تاہم میں لوگوں سے اس کے بارے میں پوچھوں گا۔ چنانچہ انہوں نے صحابہ سے دریافت کیا تو مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ عنہ نے بتایا کہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس موجود تھا آپ نے نانی کو چھٹا حصہ دیا تھا۔ حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ نے پوچھا کیا تمھارے ساتھ کوئی اور بھی تھا؟ تو محمد بن مسلمہ رضی اللہ عنہ نے کھڑے ہوکر وہی کہا جو حضرت مغیرہ رضی اللہ عنہ نے بیان کیا تھا۔ چنانچہ حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ نے اس کے لئے وہی حکم جاری کر دیا۔

پھر دوسری جدہ یعنی دادی حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے دور حکومت میں ان کے پاس آئی اور اپنے حصے کا مطالبہ کیا تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا:

کتاب اللہ میں تیرا کوئی حصہ نہیں مگر وہی چھٹا۔ اگر تم دونوں دادی اور نانی جمع ہو جاؤ تو وہ تمھارے درمیان مشترک ہوگا اور اگر کوئی اکیلی ہو تو وہ صرف اسی کیلئے ہوگا۔"

لیکن جب کسی مرنے والے کی متعدد جدّات ہوں اور وہ درجہ قرابت میں باہم مختلف ہوں تو ان میں سے قریب کے درجہ کی وارث ہوگی، دور کے درجہ کی محروم رہے گی۔ مثلاً ایک شخص اپنی والدہ کی نانی، باپ کی والدہ اور چچا چھوڑ کر فوت ہوا تو اس صورت میں چھٹا حصہ تنہا اس کے باپ کی ماں کو ملے گا کیوں کہ دونوں جدات میں سے یہ اس کے زیادہ قریب ہے کہ اس کے اور میّت کے درمیان صرف ایک واسطہ ہے جب کہ والدہ کی نانی کی قرابت میں دو واسطے ہیں اس لئے وہ حقدار نہیں ہوگی اور باقی تمام مال بحیثیت عصبہ چچا کو ملے گا۔

اسی طرح جب ایک جدہ کا میت کے ساتھ ایک رشتہ ہو اور دوسری کا دوہرا رشتہ ہو تو اس چھٹے حصے کے تین حصے کیے جائیں گے۔ جس کا میّت کے ساتھ دوہرا رشتہ ہو اس کو دو حصے اور جس کا ایک رشتہ اس کو ایک حصہ دیا جاتا ہے۔ مثلاً خالدہ کی دو بیٹیاں ہیں، رقیہ اور حفصہ۔ رقیہ کی شادی جمیلہ کے بیٹے سعید سے ہوئی جس سے ایک لڑکا حسن پیدا ہوا جب کہ دوسری طرف حفصہ کی ایک بیٹی اسماء ہے جس کا نکاح اپنی خالہ کے بیٹے حسن سے ہوا جس سے ایک لڑکا بکر پیدا ہوا جو بعد میں وفات پا گیا۔ جبکہ رقیہ، حفصہ، سعید، حسن اور اسماء پہلے ہی وفات پا چکے ہیں تو خالدہ کو چھٹے حصے میں سے دو حصے دیئے جائیں گے کیوں کہ اس کا بکر کے ساتھ ڈبل رشتہ ہے کہ یہ اس کی والدہ اسماء اور والد حسن دونوں کی نانی ہے جب کہ جمیلہ کو ایک حصہ ملے گا کیوں کہ یہ صرف اس کے والد حسن کی دادی ہے۔

عَصَبات میں تقسیم کا طریقہ

عَصَبہ کا لغوی معنی ہے ''احاطہ کرنا، کسی چیز کو ہر طرف سے گھیر لینا''۔ علمِ میراث کی اصطلاح میں عصبہ میّت کے ان رشتہ داروں کہا جاتا ہے جن کا کوئی حصہ مقرر نہ ہو بلکہ اصحاب الفروض کو ان کے مقررہ حصے دینے کے بعد جو مال بچ جائے وہ ان میں تقسیم ہو اگر وہ تنہا ہوں تو سارا ترکہ انہی کو دے دیا جائے اور اگر اصحاب الفروض سے کچھ نہ بچے تو عصبہ محروم رہیں۔ یہ رشتہ دار چونکہ میت کو ہر طرف سے گھیرے ہوئے ہوتے ہیں کہ ایک طرف بیٹا ہے تو دوسری طرف باپ۔ ایک طرف بھائی ہے تو دوسری طرف چچا، اس لئے ان کو عصبہ کہتے ہیں۔ عَصَبہ کی تین قسمیں ہیں:

پہلی قسم: ان رشتہ داروں کی ہیں جو عصبہ ہونے کیلئے کسی دوسرے کے محتاج نہیں ہوتے بلکہ وہ اپنی ذاتی حیثیت میں عصبہ ہوتے ہیں۔ اس میں درج افراد شامل ہیں:

۱۔ بیٹا۔ ۲۔ پوتا خواہ کتنے ہی نیچے رشتے میں ہو۔ ۳۔ باپ۔ ۴۔ دادا خواہ کتنے ہی اوپر کے رشتہ میں ہو۔ ۵۔ حقیقی بھائی۔ ۶۔ باپ شریک بھائی اور ان دونوں کے بیٹے نیچے تک۔ ۷۔ حقیقی چچا۔ ۸۔ باپ شریک چچا اور ان دونوں کے بیٹے نیچے تک۔ ۹۔ والد کا حقیقی اور باپ شریک چچا اور ان کے بیٹے نیچے تک۔ ۱۰۔ دادا کا چچا اور اس کے بیٹے نیچے تک۔

عصبہ میں ترکہ کی تقسیم کا طریقہ سمجھنے کیلئے حسب ذیل امور کو اچھی طرح ذہن نشین کرنا انتہائی ضروری ہے۔

① عصبی رشتہ داروں کی بالترتیب چار جہتیں (Sides) ہیں۔

❁ بیٹوں کی جہت۔ میت کا بیٹا، اگر وہ زندہ نہ ہو تو پوتا، وہ نہ ہو تو پڑپوتا نیچے تک۔

❁ باپ کی جہت۔ میت کا باپ، وہ حیات نہ ہو تو دادا، وہ نہ ہو تو پردادا اوپر تک۔

❁ بھائیوں کی جہت۔ میت کا سگا یا علاتی بھائی، وہ زندہ نہ ہو تو بھتیجے، وہ زندہ نہ

ہوں تو ان کے بیٹے نیچے تک۔

۞ حقیقی و علاتی چچا کی جہت۔ میت کا چچا، وہ نہ ہو تو اس کا بیٹا وہ نہ ہو تو اس کا بیٹا نیچے تک۔ چچا کی جہت میں باپ کے حقیقی و علاتی چچا اور ان کے بیٹے نیچے تک۔ اسی طرح دادا کا حقیقی و علاتی چچا اور ان کے بیٹے نیچے تک بھی شامل ہیں۔ یہاں اخیافی چچا نہیں آئے گا کیونکہ وہ ذوی الارحام میں شامل ہے۔

② ماہرین وراثت کے نزدیک ان اطراف میں سے قریب ترین جہت (Side) بیٹوں کی ہے۔ اس ترجیح کی کئی وجوہ ہیں۔

۞ قرآن حکیم نے اولاد کا ذکر سب سے پہلے کیا ہے۔ چنانچہ سورۂ نساء میں احکامِ وراثت کا آغاز ان الفاظ سے ہوتا ہے:

{ يُوصِيكُمُ اللَّهُ فِي أَوْلَادِكُمْ ۖ لِلذَّكَرِ مِثْلُ حَظِّ الْأُنثَيَيْنِ ۚ }

''اللہ تمھیں تمھاری اولاد کے بارے میں حکم دیتا ہے کہ ایک بیٹے کا حصہ دو بیٹیوں کے برابر ہے۔''

یہ اس بات کا ثبوت ہے کہ شریعت کی نگاہ میں اولاد کا حق سب سے مقدم ہے۔

۞ باپ بیٹے کی عدم موجودگی میں ہی بحیثیت عصبہ حصہ لیتا ہے، جب بیٹا موجود ہو تو باپ اپنے فرض حصے پر ہی اکتفا کرتا ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ بیٹے کا حق باپ سے مقدم ہے۔

۞ اکثر و بیشتر انسان اپنی اولاد کا مستقبل بہتر بنانے کے لئے ہی مال جمع کرتا ہے۔

۞ فطری لحاظ سے بھی انسان کا جو تعلق اپنے بچوں کے ساتھ ہوتا ہے وہ والدین کے ساتھ نہیں ہوتا۔

۞ عموماً اولاد کی ضرورتیں والدین کی ضروریات سے زیادہ ہوتی ہیں کیوں کہ والدین اپنی زندگی کے آخری حصے میں قدم رکھ چکے ہوتے ہیں جب کہ اولاد زندگی کے سفر کا آغاز کر رہی ہوتی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ قرآن نے والدین کا حصہ اولاد کے

حصے سے کم رکھا ہے۔

بیٹوں کے بعد باپ والی جانب ہے کیوں کہ قرآن نے بہن، بھائیوں کا حصہ اسی صورت میں رکھا ہے جب مرنے والے کی نرینہ اولاد نیچے تک اور باپ دادا اوپر تک موجود نہ ہو۔ نیز بھائیوں کے ساتھ رشتہ میں باپ ہی واسطہ ہوتا ہے لہٰذا بیٹوں کے بعد اس جانب کو ترجیح دی جائے گی۔ والد کے بعد بھائی اور بھتیجے، پھر چچے اور ان کے بیٹے ہیں، ان کے بعد باپ کے چچا اور ان کے بیٹے ہیں۔

③ ان کے رشتہ قرابت میں بھی فرق ہے کہ بعض بعض سے زیادہ قریبی ہیں، مثلاً بیٹے اور پوتے کی جہت (Side) ایک ہونے کے باوجود ان کا درجہ الگ الگ ہے کہ پہلا براہ راست بیٹا ہے اور دوسرا واسطے سے۔ اسی طرح باپ اور دادا کے درجہ میں بھی فرق ہے۔ چنانچہ بلاواسطہ بالواسطہ سے یا کم درجات والا زیادہ درجات والے سے زیادہ حق رکھتا ہے۔

④ میت کے ساتھ ان کی قوتِ قرابت میں بھی فرق ہے کہ بعض کا رشتہ بعض سے زیادہ قوی ہے جیسے ایک سگا بھائی ہے جس کا میت کے ساتھ ماں، باپ دونوں کی طرف سے رشتہ ہے اور دوسرا باپ شریک بھائی ہے جس کا مرنے والے کے ساتھ صرف باپ کی جانب سے تعلق ہے لہٰذا باپ شریک بھائی کے مقابلہ میں سگے بھائی کا رشتہ زیادہ مضبوط اور اقرب ہے۔ اسی طرح سگا چچا اور علاتی چچا ہے۔ ان امور کی روشنی میں عصبہ رشتے داروں میں ترکہ کی تقسیم کا طریقہ یہ ہے۔

① عصبہ اگر فرد واحد ہو تو اصحاب الفروض سے بچے ہوئے تمام مال پر تنہا اسی کا حق ہوتا ہے۔ اگر ایک سے زائد ہوں تو ان کی جہت (Side) درجہ اور قوت قرابت کو ملحوظ رکھا جاتا ہے۔ اگر ان میں سب برابر ہوں تو ترکہ ان میں برابر تقسیم ہوتا ہے۔ مثلاً بیوہ اور تین بیٹے ہوں تو بیوہ کا حصہ دینے کے بعد باقی مال تینوں بیٹوں میں مساوی تقسیم ہوتا ہے

کیوں کہ میّت کے ساتھ ان کی قرابت کی جہت، درجہ اور قوت یکساں ہے۔

② اگر ان کی جہت علیحدہ علیحدہ ہو تو اصحاب الفروض سے باقی ماندہ ترکہ قریبی جہت والے کو ملتا ہے، دور والا محروم رہتا ہے۔ مثلاً بیوہ، بیٹا اور باپ ہوں تو بیوہ کا حصہ نکال کر باقی مال فقط بیٹے کو ملے گا کیوں کہ والد کے مقابلے میں اس کی جہت قریب ہے، والد کو اس کا فرض حصہ ہی دیا جائے گا بحیثیت عصبہ کچھ نہیں ملے گا۔ اسی طرح اگر شوہر، باپ اور حقیقی بھائی ہو تو شوہر کا حصہ نکال کر باقی سارے مال پر باپ کا حق ہوگا، بھائی کو کچھ نہیں ملے گا کیوں کہ باپ کے مقابلہ میں اس کی جہتِ قرابت دور کی ہے۔

③ اگر جہتِ قرابت تو ایک ہو مگر درجے میں فرق ہو تو اس عصبہ کو ترجیح دی جاتی ہے جو درجہ کے اعتبار سے میّت کے زیادہ قریب ہو۔ مثال کے طور پر بیوی، بیٹا اور پوتا ہو تو بیوی کے آٹھویں حصے کے بعد باقی مال بیٹے کو ملے گا، پوتا محروم رہے گا کیوں کہ اس کا درجہ بیٹے کے بعد ہے یا اگر بیوی، بھائی اور بھتیجا ہو خواہ اسی بھائی کا بیٹا ہو یا فوت شدہ بھائی کا تو بیوی کے حصے سے بچا مال صرف بھائی کو ملے گا، بھتیجا محروم رہے گا۔ اسی طرح میّت کے چچا اور میّت کے باپ کے چچا میں سے میّت کا چچا وارث ہوگا۔

④ اگر ایک سے زائد عصبہ جہت کے علاوہ درجہ میں بھی یکساں ہوں تو ان کے رشتۂ قرابت کو پیش نظر رکھا جاتا ہے۔ مثلاً بیوی، سگے بھائی اور باپ شریک بھائی ہوں تو بیوی سے بچا ہوا مال فقط سگے بھائی کو دیا جائے گا، باپ شریک بھائی کو کچھ نہیں ملے گا کیوں کہ سگے بھائی کے مقابلے میں اس کا رشتہ دور کا ہے۔ اسی طرح باپ شریک بھائی کے بیٹے کے مقابلہ میں سگے بھائی کے بیٹے کو ترجیح دی جائے گی۔

عصبہ کی دوسری قسم

عصبہ کی دوسری قسم میں وہ عورتیں آتی ہیں جو براہ راست تو عصبہ نہیں ہوتیں مگر اپنے بھائیوں کے ساتھ مل کر عصبہ بن جاتی ہیں جیسے بیٹی، پوتی، سگی بہن اور باپ

شریک (علاتی) بہن۔ یہ چاروں عورتیں براہ راست عصبہ نہیں بلکہ اپنے بھائیوں کے ساتھ مل کر عصبہ بنتی ہیں اس لئے ان کو عصبہ با الغیر کہا جاتا ہے یعنی وہ عورتیں جو کسی دوسرے عصبہ کے سبب عصبہ بنی ہیں۔

ان چار عورتوں کے علاوہ کوئی دوسری عورت اپنے بھائی کے ساتھ مل کر عصبات میں شامل نہیں ہوتی جیسے میّت کی پھوپھی اس کے باپ یا چچا کے ساتھ یا متوفی کی چچازاد بہن چچازاد بھائی کے ساتھ مل کر عصبہ نہیں بنتی بلکہ ان صورتوں میں سارا مال مرد کو ملے گا اور عورت محروم رہے گی۔ اسی طرح بھتیجیاں بھی بھتیجوں کے ساتھ مل کر عصبہ نہیں بنتیں۔

عصبہ کی تیسری قسم

عصبہ کی تیسری قسم میں سگی بہن اور باپ شریک بہن آتی ہیں۔ یہ دونوں بنیادی طور پر تو اصحاب الفروض میں شمار ہوتی ہیں لیکن میّت کی بیٹی اور پوتی کے ساتھ مل کر عصبہ بن جاتی ہیں۔ دوسری صورت میں بہنیں اپنے بھائیوں کے سبب عصبہ بنتی ہیں جب کہ اس صورت میں وہ میّت کی بیٹی اور پوتی کی وجہ سے عصبہ بنتی ہیں۔

بحث کا خلاصہ یہ کہ میّت کے مرد رشتہ داروں میں سے باپ، بیٹے اور خاوند ہر حال میں حصہ ملتا ہے، ان کے محروم رہنے کی کوئی صورت نہیں ہے۔ ان کے علاوہ بقیہ افراد کو بعض صورتوں میں حصہ ملتا ہے اور بعض میں نہیں۔ جب کہ عورتوں میں سے میّت کی بیوی، بیٹی اور ماں تو ضرور حصہ لیتی ہیں جب کہ پوتیاں، بہنیں اور نانی، دادی کبھی حصہ دار بنتی ہیں اور کبھی محروم رہتی ہیں۔ بہن، بھائیوں کا معاملہ بھی یہی ہے کہ ان کو صرف اسی صورت میں حصہ ملتا ہے جب میّت کا والد یا کوئی بیٹا اور پوتا نیچے تک زندہ نہ ہو۔ اگر ان میں سے کوئی زندہ ہو تو ہر قسم کے بہن بھائی محروم رہتے ہیں۔

بعض ورثاء کی موجودگی میں دوسرے ورثاء کا حصہ کم یا ساقط ہونا

سورۂ نساء کی زیر مطالعہ آیات سے یہ بھی واضح ہوتا ہے کہ بعض ورثاء کچھ دوسرے ورثاء کے حصوں پر اثر انداز ہوتے ہیں۔ ان کی وجہ سے کسی دوسرے وارث کا حصہ کم یا ساقط ہو جاتا ہے، مثلاً میّت کی اولاد نہ ہونے کی صورت میں والدہ کو تیسرا حصہ ملتا ہے جبکہ اولاد ہونے کی صورت میں چھٹا حصہ۔ اسی طرح میت کی اولاد موجود ہو تو بیوہ کو چوتھے کی بجائے آٹھواں حصہ ملتا ہے۔ علمِ میراث کی اصطلاح میں اس کو "حَجب" کہا جاتا ہے جس کا لغوی معنی ہے پردہ کرنا، منع کرنا اور روکنا۔ اس صورت میں چونکہ ایک وارث دوسرے وارث کے حصے میں رکاوٹ بن جاتا ہے۔ دوسرا وارث اہلیت رکھنے کے باوجود اپنے حصے سے یا تو بالکل محروم رہتا ہے یا اس کا حصہ کم ہو جاتا ہے اس لئے اسے حجب کہتے ہیں۔

حَجب کی قسمیں

پہلی صورت جس میں ایک وارث دوسرے وارث کے سبب بالکل ترکہ سے محروم ہو جائے تو اسے "حَجب حِرمان" اور دوسری صورت جس میں ایک وارث کے باعث دوسرے وارث کا حصہ کم ہو جائے تو اسے "حَجبِ نقصان" کہتے ہیں۔ پھر جس وارث کی وجہ سے دوسرے وارث کو بالکل حصہ نہ ملے یا کم ملے اس کو "حاجِب" اور جس کا حصہ کم ہو یا اسے کچھ بھی نہ ملے اس کو "محجوب" کا نام دیتے ہیں۔

حَجب حِرمان اور مانع وراثت میں فرق

حَجب حِرمان اور مانع وراثت کی وجہ سے حصہ نہ ملنے کی صورتیں باہم ملتی جلتی ہیں لیکن درحقیقت دونوں میں فرق ہے۔ وہ یہ کہ حَجبِ حِرمان میں محجوب

اپنی ذات کی وجہ سے نہیں بلکہ کسی دوسرے وارث کے سبب محروم ہوتا ہے جو اس سے وراثت کا زیادہ حقدار ہوتا ہے جیسا کہ مذکورہ بالا تعریف سے واضح ہے جب کہ مانع وراثت کی بنا پر محروم رہنے والا کسی دوسرے وارث کی وجہ سے نہیں بلکہ خود اپنے عمل کے نتیجہ میں محروم ہوتا ہے جیسے قاتل کا معاملہ ہے جو اپنے عملِ بد کے سبب مقتول کے ورثاء میں شامل ہونے کا استحقاق کھو بیٹھتا ہے۔

علاوہ ازیں نتائج کے لحاظ سے بھی دونوں مختلف ہیں۔ موانع کی وجہ سے محروم کالعدم تصور کیا جاتا ہے جو دوسرے ورثاء پر اثر انداز نہیں ہو سکتا، مثلاً ایک مقتول کے ورثاء میں اس کا قاتل بیٹا، بیوہ، والدہ اور بھائی ہوں تو بیوہ کو چوتھا اور والدہ کو تیسرا حصہ ملے گا اور باقی ترکہ بھائی کیلئے ہوگا کیوں کہ باپ کو قتل کرنے کے بعد بیٹا وارث بننے کے لائق نہیں رہا۔ اگر اس نے اپنے والد کے قتل کا ارتکاب نہ کیا ہوتا تو جہاں مقتول کی بیوہ اور والدہ کے حصص سے باقی ماندہ ترکہ بھائی کی بجائے اسے ملتا وہاں بیوہ کو بھی چوتھے کی جگہ آٹھواں اور ماں کو تیسرے کی بجائے چھٹا حصہ ملتا لیکن اس نے ایسا جرم کیا ہے جو اس کے وارث بننے کی راہ میں رکاوٹ بن گیا ہے اس لئے یہ معدوم کے حکم میں ہے۔ اس کے برعکس محجوب ورثاء میں شمار ہوتا ہے جو محروم رہنے کے باوجود دوسرے ورثاء کے حصص میں کمی کا باعث بنتا ہے۔ مثلاً دو بھائی ہوں تو وہ جو میّت کے باپ کی موجودگی میں محروم ہوں گے لیکن ان کی وجہ سے ماں کے حصے میں کمی واقع ہو جاتی ہے کہ اس کو تیسرے کی بجائے چھٹا حصہ ملتا ہے۔

حَجب کی اہمیت

اسلامی قانونِ وراثت میں معرفت حاصل کرنے کیلئے ان صورتوں کا جاننا بے حد ضروری ہے جن میں ایک وارث کا حصہ یا تو بالکل ساقط ہو جاتا ہے یا پھر کم ہو جاتا ہے تاکہ غلطی سے کسی غیر مستحق کو حصہ نہ دے دیا جائے یا کسی وارث کو اس کے استحقاق سے

زائد نہ دے دیا جائے یا کسی حق دار کو محروم نہ کر دیا جائے۔ چنانچہ علامہ محمد بن صالح عثیمین رحمہ اللہ حجب کی اہمیت واضح کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

''یہ مسئلہ علم میراث میں بڑا ہی اہم ہے، اس کی اہمیت وراثت کے اسباب اور شرائط سے کسی صورت کم نہیں ہے کیوں کہ دوسرے احکام کی طرح وراثت کی تکمیل بھی تب ہوتی ہے جب اس کے اسباب اور شرطیں پائی جائیں اور اس میں کوئی مانع بھی نہ ہو۔ چنانچہ میراث کا حکم اس کے اسباب، شرائط اور موانع کی پہچان پر موقوف ہے تا کہ اسباب و شرائط کے فقدان یا کوئی مانع پائے جانے کے باوجود حکم نہ لگا دیا جائے۔ اسی لئے بعض اہل علم نے کہا ہے کہ جو شخص حجب کے بارے میں معلومات نہ رکھتا ہو اس کے لئے وراثت کے مسائل میں فتوی دینا جائز نہیں ہے تا کہ کسی ایسے شخص کو وارث نہ بنا دے جو حقیقت میں وارث نہ ہو تو اس طرح کسی حقدار کو اس کے حق سے محروم کر کے غیر مستحق کو دے دے گا۔'' (تسهيل الفرائض محمد بن صالح العثيمين)

حَجب نُقصان

پانچ افراد ہیں جن کو کسی دوسرے وارث کی وجہ سے زیادہ کی بجائے کم حصہ ملتا ہے۔

① ۔ **خاوند:** متوفیہ کی اولاد ہو تو شوہر کو نصف ترکے کی بجائے چوتھا حصہ ملتا ہے یعنی اولاد کی وجہ سے اس کا حصہ کم ہو کر آدھا رہ جاتا ہے۔ فرمان الٰہی ہے:

{ وَ لَكُمْ نِصْفُ مَا تَرَكَ اَزْوَاجُكُمْ اِنْ لَّمْ يَكُنْ لَّهُنَّ وَلَدٌ ۚ فَاِنْ كَانَ لَهُنَّ وَلَدٌ فَلَكُمُ الرُّبُعُ مِمَّا تَرَكْنَ مِنْ بَعْدِ وَصِيَّةٍ يُّوْصِيْنَ بِهَاۤ اَوْ دَيْنٍ ؕ } (النساء:۱۲)

''تمھاری بیویاں جو کچھ چھوڑ جائیں تمھیں اس میں سے نصف ملے گا اگر ان کی اولاد نہ ہو۔ اگر ان کی اولاد ہو تو جو وصیت انہوں نے کی ہو اس پر عمل کرنے اور ان کے قرض کی ادائیگی کے بعد تمھیں ان کے ترکے کا چوتھا حصہ ملے گا۔''

② ۔ **بیوی:** اسی طرح متوفی کی اولاد ہو تو بیوہ کا حصہ بھی آدھا رہ جاتا ہے کہ اس کو چوتھے کی بجائے آٹھواں حصہ ملتا ہے۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

{ وَلَهُنَّ الرُّبُعُ مِمَّا تَرَكْتُمْ إِن لَّمْ يَكُن لَّكُمْ وَلَدٌ ۚ فَإِن كَانَ لَكُمْ وَلَدٌ فَلَهُنَّ الثُّمُنُ مِمَّا تَرَكْتُم ۚ مِّن بَعْدِ وَصِيَّةٍ تُوصُونَ بِهَا أَوْ دَيْنٍ }

(النساء:۱۲)

"اور وہ تمھارے ترکے میں سے چوتھے حصے کی حق دار ہوں گی بشرطیکہ تمھاری کوئی اولاد نہ ہوں اور اگر تمھاری کوئی اولاد ہو تو جو وصیت تم نے کی ہو اس کو پورا کرنے اور تمھارے قرض کی ادائیگی کے بعد ان کو آٹھواں حصہ ملے گا۔"

③ ۔ **والدہ:** فوت ہونے والے کی اولاد یا ایک سے زائد بہن بھائی ہوں تو ماں کو تیسرے کی بجائے چھٹا حصہ دیا جاتا ہے:

{ وَلِأَبَوَيْهِ لِكُلِّ وَاحِدٍ مِّنْهُمَا السُّدُسُ مِمَّا تَرَكَ إِن كَانَ لَهُ وَلَدٌ ۚ فَإِن لَّمْ يَكُن لَّهُ وَلَدٌ وَوَرِثَهُ أَبَوَاهُ فَلِأُمِّهِ الثُّلُثُ ۚ فَإِن كَانَ لَهُ إِخْوَةٌ فَلِأُمِّهِ السُّدُسُ } (النساء:۱۱)

"اور اگر میّت صاحب اولاد ہو تو اس کے والدین میں سے ہر ایک کو ترکے کا چھٹا حصہ دیا جائے اور اگر اس کی اولاد نہ ہو اور والدین ہی اس کے وارث ہوں تو اس کی ماں کو تیسرا حصہ ملے گا، ہاں اگر اس کے کئی بھائی ہوں تو اس کی والدہ کو چھٹا حصہ دیا جائے گا۔"

④ ۔ **پوتی:** جب مرنے والے کی ایک پوتی ہو تو اس کو نصف ترکہ ملتا ہے لیکن اگر اس کے ساتھ میّت کی ایک بیٹی بھی ہو تو اس کا حصہ نصف سے کم ہو کر چھٹا رہ جاتا ہے۔

⑤ ۔ **علاتی بہن:** یہی صورت حال باپ شریک بہن کی ہے کہ اس کو آدھا ترکہ ملتا ہے لیکن اس کے ساتھ ایک سگی بہن ہونے کی صورت میں اسے آدھے ترکے کی بجائے چھٹا حصہ دینے کا حکم ہے۔

حَجب حِرمان

متوفی کی بیٹی، بیٹے، والدین اور بیوی (اگر عورت فوت ہوئی ہو تو خاوند) کو بہر صورت حصہ ملتا ہے، ان کے محروم رہنے کی کوئی صورت نہیں ہے۔ ان کے علاوہ باقی جتنے ورثاء ہیں ان سب میں حَجب حِرمان ممکن ہے۔ اب یہ ورثاء کن صورتوں میں حصہ لیں گے اور کن میں محروم رہیں گے اس کا فیصلہ درج ذیل قوانین کی روشنی میں کیا جائے گا۔

① جس شخص کی میّت کے ساتھ نسبت کسی واسطے سے ہو وہ اس واسطے کی موجودگی میں محروم رہے گا جیسے دادا ہے جس کا میّت کے ساتھ تعلق باپ کے واسطے سے ہے تو، باپ کی موجودگی میں دادا کو حصہ نہیں ملے گا۔ اسی طرح پوتا ہے جس کی میّت کے ساتھ نسبت اس کے بیٹے کے واسطے سے قائم ہے لہٰذا متوفی کے بیٹے کی زندگی میں اس کا پوتا وارث نہیں ہوگا۔

البتہ اخیافی بہن، بھائی اس قاعدے سے مستثنیٰ ہیں کیونکہ وہ اپنی ماں کی موجودگی میں بھی وارث قرار پاتے ہیں حالانکہ میّت کے ساتھ ان کی قرابت ماں کی وساطت سے ہی ہوتی ہے۔

② قریبی رشتہ دار دور کے رشتہ دار کو محروم کر دیتا ہے۔ مثلاً بیٹے کی موجودگی میں پوتا محروم رہے گا کیوں کہ دونوں میں سے بیٹا میّت کے زیادہ قریب ہے۔ یہ قانون عصبات اور اصحاب الفروض دونوں پر یکساں لاگو ہوتا ہے۔ تفصیل پہلے گذر چکی ہے۔

③ قوی قرابت والے کی موجودگی میں کمزور قرابت والا محجوب ہوگا جیسے سگے بھائی کی وجہ سے علاتی بھائی حصہ نہیں لے سکتا۔ یہ قانون صرف عصبات کے لیے ہے۔

حَجب کس کے فائدے میں ہے؟

بعض اوقات حجب کا فائدہ خود حاجب کی ذات کو پہنچتا ہے جیسا کہ بیٹے کی موجودگی متوفی کی والدہ کو تیسرے کی بجائے چھٹا حصہ ملتا ہے تو یہاں حجب کا فائدہ بیٹے جو کہ میّت کی والدہ کیلئے حاجب ہے کی طرف منتقل ہوتا ہے۔

کبھی اس کا فائدہ کسی دوسرے وارث کو حاصل ہوتا ہے جیسا کہ دو یا دو سے زائد بہن، بھائی ہوں تو مرنے والے کی والدہ کو تیسرے کی بجائے چھٹا حصہ دیا جاتا ہے مگر اس حجب کا فائدہ ایک دوسرے وارث باپ کو پہنچتا ہے کہ ماں کو اس کا حصہ دینے کے بعد باقی سارا ترکہ باپ کو ملتا ہے، خود بہن، بھائیوں کو اس سے کوئی فائدہ حاصل نہیں ہوتا حالانکہ حاجب وہ ہیں۔ اس میں حکمت یہ ہے کہ اگر میت کے بہن، بھائی نابالغ ہوں تو ان کی تعلیم وتربیت کے اخراجات باپ کے ذمے ہوتے ہیں۔

اسی طرح اگر ورثاء میں بیوہ، بیٹی، اخیافی بہن بھائی اور چچا ہو تو بیوہ کو آٹھواں حصہ بیٹی کو آدھا ترکہ اور باقی چچا کیلئے ہوگا۔ اخیافی بہن، بھائی محروم رہیں گے کیوں کہ میت کی اولاد بیٹی موجود ہے۔ یہاں بیٹی بہن، بھائیوں کیلئے حاجب ہے لیکن اس کا فائدہ خود بیٹی کو نہیں بلکہ چچا کو پہنچا ہے۔

کسی وارث کا اپنے حصے سے دستبردار ہونا

بعض خاندانوں میں بہنوں کے وراثت سے حصہ لینے کو معیوب سمجھا جاتا ہے یا خاندان میں بہنوں کے حصہ لینے کا رواج ہی نہیں ہوتا یا بہنیں کسی معاشرتی دباؤ کی وجہ سے خود ہی یہ کہہ دیتیں ہیں کہ ہم اپنے بھائی کے حق میں دستبردار ہوتی ہیں۔ یہ روّیہ عورت کو وراثت سے محروم رکھنے کے ہی مترادف ہے۔لہٰذا اگر کوئی عورت ان وجوہات میں سے کسی وجہ سے اپنا حصہ معاف کرتی ہے تب بھی اس کا حصہ برقرار رہتا ہے۔

ہاں اگر کوئی وارث کسی جبر واکراہ کے بغیر اپنی رضا ورغبت سے اپنے حصہٴ وراثت کے عوض کوئی خاص چیز خواہ اس کی مقدار کم ہو یا زیادہ قبول کر کے تقسیم وراثت کے عمل سے الگ ہو جائے تو یہ جائز ہے۔اس کو اصطلاح میں "تخارج" کہا جاتا ہے جس کا لغوی معنی ہے ایک دوسرے سے الگ ہونا۔ یہ بنیادی طور پر مصالحت کی ایک صورت ہے جس میں کوئی وارث کسی خاص چیز کے بدلے اپنے حصہٴ وراثت سے دستبردار ہو جاتا ہے۔حضرت عبدالرحمن بن عوف رضی اللہ عنہ کی چار بیویاں تھیں جن میں سے ایک کو انہوں نے اپنی بیماری کے دوران طلاق دے دی۔ ابھی وہ عدت ہی میں تھی کہ حضرت عبدالرحمن بن عوف رضی اللہ عنہ وفات پا گئے۔حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے دیگر تین بیویوں کے ساتھ اس مطلقہ کو بھی وارث قرار دیا۔اس پر حضرت عبدالرحمن بن عوف رضی اللہ عنہ کے دوسرے ورثاء نے اس کو ۸۳ ہزار درہم دے کر مصالحت کر لی۔

(السنن الکبریٰ للبیقی، کتاب الخلع والطلاق)

قرین قیاس یہی ہے کہ ۸۳ ہزار درہم اُس کے شرعی حصے سے کم تھے۔

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں:

((يَتَخَارَجُ الشَّرِيكَانِ وَأَهْلُ الْمِيرَاثِ فَيَأْخُذُ هَذَا عَيْنًا وَهَذَا

دَيْنًا فَإِنْ تَوِيَ لِأَحَدِهِمَا لَمْ يَرْجِعْ عَلَى صَاحِبِهِ»

(صحيح البخاري: كتاب الحوالة)

”اگر دو شراکت دار اور ورثاء تخارج کریں اور ان میں سے ایک کیش یا اثاثہ جات وصول پالے اور دوسرا ادھار وصول پانے پر رضا مند ہو جائے۔ بعد میں کسی ایک کا حصہ تباہ ہو جائے (یا وصولی نہ ہو سکے) تو وہ دوسرے شریک یا وارث سے تقاضا نہیں کر سکتا۔“

کسی ایک وارث کے دستبردار ہونے کی صورت میں مسئلہ کی تشکیل کا طریقہ یہ ہوتا ہے کہ پہلے اس دستبردار ہونے والے وارث کو شامل کر کے حساب کیا جاتا ہے۔ بعد ازاں دستبردار ہونے والے کے حصے کو منہا کر کے باقی ماندہ دوسرے ورثاء پر تقسیم کر دیا جاتا ہے۔ مثلاً ورثاء میں خاوند، دو اخیافی بھائی اور ایک سگا بھائی ہو تو ترکے کے چھ حصے ہوں گے ان میں سے تین حصے خاوند، دو حصے اخیافی بھائیوں اور ایک حصہ بحیثیت عصبہ سگے بھائی کو ملے گا۔ اب اگر اخیافی بھائی ترکہ میں سے کوئی خاص چیز لے کر اپنے شرعی حصے سے دستبردار ہو جائیں تو ان کے دو حصے نکال کر باقی ماندہ ترکہ کے چار حصے کیے جائیں گے۔ تین حصے خاوند کو اور ایک حصہ سگے بھائی کو ملے گا۔

حساب کرتے وقت دستبردار ہونے والے وارث کو شامل کرنے کا فائدہ یہ ہوتا ہے کہ باقی ورثاء کے حصص میں کمی بیشی نہیں ہوتی۔ مذکورہ مثال کو ہی لے لیجئے کہ اگر اخیافی بھائیوں کو نکال کر حساب کیا جاتا تو ترکے کے صرف دو حصے ہوتے۔ ایک حصہ خاوند کو اور ایک حصہ سگے بھائی کو ملتا جس سے خاوند کا حصہ کم اور بھائی کا حصہ زیادہ ہو جاتا جو کہ غلط ہے۔

نوٹ: بعض اوقات ایک وارث دوسرے وارث کو اپنے ذاتی مال میں سے کچھ دے کر اپنے حق میں دستبردار کرا لیتا ہے۔ ایسی صورت میں دستبردار ہونے والے کا حصہ صرف اُسی وارث کو ملتا ہے جو اُس کو ادائیگی کرتا ہے۔

خُنثٰی کا حکم

بعض اوقات مرنے والا اپنے پیچھے کوئی ایسا وارث بھی چھوڑ جاتا ہے جس کی جنس کا تعین مشکل ہوتا ہے ایسے شخص کو عربی میں خُنثٰی ،انگریزی میں Bisexual کہتے ہیں یعنی وہ شخص جس کی جنس (Gender) واضح نہ ہو یا جس کے جسم کا مخصوص حصہ مرد کا بھی ہو اور عورت کا بھی یا اس کا مخصوص حصہ صرف پیشاب نکلنے کا مقام ہو۔

خُنثٰی کی مختلف صورتیں

دو جنسی شخص میں اگر مردانہ علامات زیادہ پائی جائیں تو اس کو مرد کا حصہ دیا جائے گا اور اگر زنانہ علامات زیادہ پائی جائیں تو اس کو عورت کا دیا جائے گا اور اگر علامات سے شناخت مشکل ہو تو آدھا حصہ مرد اور آدھا حصہ عورت کا دیا جائے گا۔ مثلاً کسی شخص کے ورثاء میں ایک بیٹا ایک بیٹی اور ایک دو جنسی ہو جس کی علامات سے پہچان مشکل ہو تو بیٹے کو دو حصے بیٹی کو ایک حصہ اور دو جنسی کو ڈیڑھ حصہ ملے گا۔

واضح رہے کہ ''دو جنسی'' کے لیے شوہر، بیوی، باپ، ماں، دادے یا دادی اور نانی کی حیثیت سے حصہ لینا ممکن نہیں۔ کیونکہ ان صورتوں میں جنس واضح ہوتی ہے جبکہ ''دو جنسی'' کا معاملہ غیر واضح ہوتا ہے۔ ''دو جنسی'' اولاد، بہن، بھائی اور چچا کی حیثیت سے ہی حصہ لے سکتا ہے۔

نوٹ! جو شخص بنیادی طور پر مرد ہو لیکن اس کے جسم کا مخصوص حصہ کٹ گیا ہو یا وہ نسوانی وضع قطع بنا کر رکھے جسے عرف عام میں مخنث یا ہیجڑا کہا جاتا ہے تو اسے مرد ہی سمجھا جائے گا۔ اس قسم کے لوگوں سے پردہ واجب ہے اور ان کو گھروں میں داخل ہونے کی اجازت نہیں دینی چاہیے۔

حمل کا حصہ

اسلامی نظامِ وراثت کی ایک خصوصیت یہ بھی ہے کہ اس نظام میں ماں کے پیٹ میں موجود بچے کے لئے بھی حصہ رکھا جاتا ہے جو اسے زندہ پیدا ہونے کی صورت میں دیا جاتا ہے۔ چنانچہ حضرتِ ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی ﷺ نے فرمایا:

"إِذَا اسْتَهَلَّ الْمَوْلُودُ وُرِّثَ"

(سنن ابی داؤد: الفروئض باب فی المولود یستهل ثم یموت)

''اگر بچہ (پیدائش کے وقت) چیخ مار کر رو دے یعنی زندہ پیدا ہو تو اسے وارث بنایا جائے گا۔''

چونکہ حمل کبھی مذکر ہوتا ہے اور کبھی مؤنث، بعض حالات میں مردہ پیدا ہوتا ہے اور بعض میں زندہ اور بعض اوقات ایک حمل سے ایک سے زائد بچے پیدا ہو سکتے ہیں اور پھر اس کا اثر دوسرے ورثاء کے حصوں پر بھی پڑتا ہے اس لئے بہتر یہ ہوتا ہے کہ تقسیم ترکہ کے لئے حمل کی پیدائش تک انتظار کر لیا جائے تاکہ صحیح صورت حال سامنے آ جائے اور ترکہ دوبار تقسیم کرنے کی زحمت نہ اٹھانی پڑے لیکن اگر ورثاء ترکہ کی تقسیم پیدائش تک مؤخر کرنے پر آمادہ نہ ہوں تو حمل کے لئے مذکر و مؤنث کے حصے میں سے جس کا حصہ زیادہ بنتا ہو وہ محفوظ رکھ لیا جائے اور ورثاء کو ان کا کم ترین حصہ دے دیا جائے۔

پیدائش کے بعد اگر محفوظ رکھا گیا حصہ زائد ثابت ہو تو بقیہ دیگر ورثاء میں ان کے حصص کے تناسب سے دوبارہ تقسیم کر دیا جائے گا۔ اگر وہ اس حصہ سے زائد کا مستحق ہو یعنی حمل ایک سے زائد بچے پیدا ہوں تو دوسرے ورثاء سے وصولی کر کے ان کا حصہ مکمل کیا جائے گا۔

لاپتہ شخص کا حقِّ میراث

گم شدہ شخص جس کے بارے میں یہ علم نہ ہو کہ وہ زندہ ہے یا کہ فوت ہو چکا ہے شرعی اصطلاح میں اسے "مَفقُود الخبر" کہا جاتا ہے جس کا معنی ہے "لاپتہ شخص"۔

چونکہ طویل عرصہ تک کسی شخص کی موت وحیات کا فیصلہ نہ ہونے کی وجہ سے اس کے خاندان کیلئے مختلف قسم کے سماجی اور معاشرتی مسائل پیدا ہو سکتے ہیں لہٰذا ایک ایسی مدت کا تعین ضروری ہے جس میں تلاش اور انتظار کے بعد اس کو مردہ تصوُّر کیا جا سکے تا کہ اس کے معاملے کو غیر معینہ مدت تک لٹکائے رکھنے سے خاندان کے دیگر افراد کیلئے مشکلات پیدا نہ ہوں۔ علم وراثت کی معتبر کتاب اَلسّراجی میں لکھا ہے:

"لاپتہ شخص اپنے مال کے حق میں زندہ ہوتا ہے لہٰذا کوئی شخص اس کے مال کا وارث نہیں بن سکتا اور دوسروں کے مال کے حق میں مردہ تصور کیا جاتا ہے اس لئے وہ اپنے رشتہ داروں میں سے کسی کے مال کا وارث بھی نہیں ہو سکتا۔ لہٰذا جب تک اس کی موت کا علم نہ ہو جائے یا اس پر اتنی مدت نہ گذر جائے جس میں اس کی موت کا فیصلہ ممکن ہو اس کا مال ورثاء میں تقسیم نہیں ہو سکے گا۔"

تاہم اس مدت کے تعین میں مجتہدین کی آراء مختلف ہیں۔ بعض کے خیال میں یہ مدت ایک سو بیس سال ہے یعنی جب گم شدہ شخص کی عمر اس کی تاریخ پیدائش سے ایک سو بیس سال ہو جائے تو اس کو مردہ سمجھ لیا جائے۔ بعض کے نزدیک جب اس کی عمر نوے سال ہو جائے تو اس کی موت کا فیصلہ دے دیا جائے۔ بعض کی رائے میں جب لاپتہ شخص کے ہم عمر افراد میں سے کوئی بھی باقی نہ رہے تو اس کو بھی مردہ تصور کر لیا جائے جب کہ بعض مجتہدین کے مطابق گمشدگی کے بعد صرف چار سال تک انتظار کرنا ضروری ہے لیکن صحیح بات یہ ہے کہ اس مدت کا تعین حالات وواقعات کو مدّ نظر رکھ کر کیا جائے گا اور اس بارے میں عدالت کا فیصلہ حتمی ہوگا۔

گم شدہ شخص کے مال کی تقسیم

گم شدہ شخص کے بارے میں اصل اہمیت کورٹ کے فیصلے کی ہوتی ہے کہ وہ حالات کے مطابق گم شدہ شخص کے لئے کوئی بھی مدت مقرر کر سکتی ہے، مثلاً اگر یہ شخص آج سے ٹھیک دس سال بعد تک نہ آیا یا اس کی خبر نہ ملی تو یہ مردہ تصور ہوگا تو ٹھیک اس مدت تک وہ زندہ تصور ہوگا اور اس کا مال تقسیم نہیں کیا جا سکے گا۔ کورٹ کے فیصلے کے بعد اس کا مال صرف انہی ورثاء میں تقسیم کیا جائے گا جو فیصلے کے وقت حیات تھے، فیصلے سے قبل فوت ہونے والے ورثاء محروم رہیں گے خواہ انہوں نے فیصلے سے ایک دن قبل ہی وفات پائی ہو۔ اگر تقسیم کے بعد لاپتہ شخص مل جائے تو ورثاء اس کا مال واپس کرنے کے پابند ہوں گے اگر انہوں نے وہ مال خرچ کر لیا ہو اور واپس کرنے کی استطاعت بھی نہ رکھتے ہوں تو اس کا فیصلہ کورٹ ہی کرے گی جس کے سب پابند ہوں گے۔

گم شدہ شخص کا حصہ

اگر مدت انتظار میں لاپتہ شخص کا کوئی قریبی عزیز فوت ہو جائے تو اس کا حصہ بطور امانت محفوظ رکھا جائے گا۔ اگر بعد میں بازیاب ہو گیا تو اپنا حصہ وصول پائے گا، ورنہ وہ حصہ دوسرے ورثاء میں تقسیم کر دیا جائے گا۔ چنانچہ فقہی انسائیکلو پیڈیا آف کویت میں ہے:

"ویوقف للمفقود حصته من مال موروثه الذی مات فی مدة الانتظار ،فان مضت المدة ولم یعلم خبره رد الموقوف الي ورثة موروث المفقود"

"لاپتہ شخص کا جو مُورّث مدت انتظار میں وفات پا جائے اس کے مال میں سے اس کا حصہ الگ کر کے رکھا جائیگا۔ اگر انتظار کی مدت تک اس کا کوئی پتہ نہ چل سکے تو وہ حصہ لاپتہ شخص کے مُورّث کے ورثاء کی طرف لوٹا دیا جائے گا۔"

مثلاً ایک شخص دو بیٹیاں اور ایک لاپتہ بیٹا چھوڑ کر فوت ہوا تو اس کا نصف ترکہ دو بیٹیوں کو اور نصف لاپتہ بیٹے کو ملے گا جو بطور امانت بیٹیوں کے قبضہ میں ہی رہے گا۔ اگر بعد میں لاپتہ شخص کا سراغ مل گیا تو یہ حصہ اس کو دے دیا جائے گا ورنہ اس نصف میں سے $\frac{1}{6}$ بیٹیوں کو مزید دے دیا جائے گا تاکہ ان کا $\frac{2}{3}$ حصہ پورا ہو جائے اور باقی میّت کے دیگر ورثاء میں تقسیم کر دیا جائے گا بشرطیکہ کوئی وارث موجود ہو، ورنہ پورا نصف بیٹیوں پر ردّ ہو جائے گا۔

ذوی الارحام کا حقِ میراث

ذوالارحام کا لغوی معنی ہے رشتہ دار۔علمِ میراث کی اصطلاح میں ذوی الارحام فوت ہونے والے کے ان رشتہ داروں کو کہا جاتا ہے جو نہ اصحاب الفروض میں شامل ہوں اور نہ عصبات میں۔جیسے ماموں، خالہ، پھوپھی، نانا، نواسا، نواسی وغیرہ۔ان کے حقِ وراثت کے متعلق اختلاف ہے۔

حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ، سعید بن مسیّب، امام مالک اور امام شافعی رحمہ اللہ کے نزدیک جب اصحاب الفروض یا عصبات میں سے کوئی نہ ہو تو ترکہ بیت المال کی ملکیت ہوگا اور ذوی الارحام کا اس پر کوئی حق نہیں ہوگا۔ان کا استدلال یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے میراث کی آیات میں اصحاب الفروض اور عصبات کا ذکر تو کیا ہے مگر ذوی الارحام کا ذکر نہیں کیا جس سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ میراث میں ان کا کوئی حق نہیں ہے۔

جب کہ سیّدنا علی، حضرت عبداللہ بن مسعود، عبداللہ بن عباس، معاذ بن جبل، ابو درداء، ابو عبیدہ بن جراح رضی اللہ عنہم، قاضی شریح، حسن بصری، محمد بن سیرین، عطاء اور حضرت مجاہد رحمہ اللہ کی رائے میں جب خاوند یا بیوی کے علاوہ اصحاب الفروض اور عصبات میں سے کوئی اور نہ ہو تو ذوی الارحام وارث ہوں گے اور یہی نقطۂ نظر صحیح ہے کیوں کہ قرآن پاک میں ارشاد ہے:

{ وَ اُولُوا الْاَرْحَامِ بَعْضُهُمْ اَوْلٰى بِبَعْضٍ فِيْ كِتٰبِ اللّٰهِ مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ وَ الْمُهٰجِرِيْنَ اِلَّاۤ اَنْ تَفْعَلُوْۤا اِلٰۤى اَوْلِيٰٓئِكُمْ مَّعْرُوْفًا ؕ كَانَ ذٰلِكَ فِي الْكِتٰبِ مَسْطُوْرًا ۝ } (الاحزاب،٦)

"اللہ کی کتاب کی رو سے مومنوں اور مہاجرین کی بہ نسبت رشتہ دار ایک دوسرے کے زیادہ حق دار ہیں ہاں تم اپنے دوستوں کے ساتھ حسن سلوک کرنا چاہو تو اس کی اجازت ہے یہ حکم کتاب الٰہی میں لکھا ہوا ہے۔"

اس حکم میں اصحاب الفروض اور عصبات کے علاوہ ذوی الارحام بھی شامل ہیں۔

نبی ﷺ کا فرمان ہے:

"اَلْخَالُ وَارِثُ مَنْ لاَّ وَارِثَ لَهُ" (الترمذی: باب فی میراث الخال)

"جس کا (اصحاب الفروض اور عصبات میں سے) کوئی وارث نہ ہو اس کا وارث ماموں ہوگا۔"

علاوہ ازیں اس پر صحابہ کرام کا اجماع بھی ہے۔ حضرت ابو حازم رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

"أجمع أصحاب رسول الله ﷺ غير ثابت بن زيد على توريث ذوي الارحام" (الموسوعة الفقهية: ج ٣ ص ٥٣)

"زید بن ثابت کے علاوہ تمام صحابہ کا اس پر اجماع ہے کہ (اصحاب الفروض اور عصبات کی عدم موجودگی میں) میراث ذوی الارحام کو دی جائے گی۔"

موجودہ دور چونکہ بیت المال کا نظام درہم برہم ہو چکا ہے اس لیے عصر حاضر کے اہل علم متفق ہیں کہ اصحاب الفروض اور عصبات کی عدم موجودگی میں ذوی الارحام کو وارث بنایا جائے گا۔

ذوی الارحام میں ترکہ کی تقسیم کے قواعد

اگر اصحاب الفروض اور عصبات میں سے کوئی وارث حیات ہو تو ذوی الارحام کو کچھ نہیں ملتا کیوں کہ اگر وہ وارث اصحاب الفروض میں سے ہو تو اس کا فرض حصہ دے کر باقی مال دوبارہ پھر اسی کو دے دیا جاتا ہے یعنی اسے (Return) ہو جاتا ہے۔ اگر وہ عصبات میں سے ہو تو وہ بحیثیت عصبہ تمام مال کا حق دار ہوتا ہے لہٰذا اس صورت میں ذوی الارحام کے لئے کچھ نہیں بچتا۔ لیکن اگر اصحاب الفروض میں سے شوہر یا بیوی موجود ہو تو اس کا فرض حصہ دینے کے بعد بقیہ مال پر ذوی الارحام کا حق ہوتا ہے کیوں کہ خاوند اور بیوی کو ان کا فرض حصہ ہی دیا جاتا ہے، ان پر رَدّ (Return) نہیں ہوتا۔ مثلاً کسی عورت کے پسماندگان میں خاوند اور نانا ہوں تو خاوند کا $\frac{1}{2}$ حصہ دینے کے بعد باقی

ترکہ نانا کو ملے گا۔ جب اصحاب الفروض اور عصبات میں سے کوئی موجود نہ ہو تو ذوی الارحام میں ترکہ کی تقسیم کی ترتیب یوں ہوگی۔

① اگر ذوی الارحام میں سے کوئی ایک فرد ہی موجود ہو تو وہ اکیلا ہی سارے مال کا حق دار ہوتا ہے جیسا کہ مذکورہ مثال سے واضح ہے۔

② جب ذوی الارحام ایک سے زائد ہوں تو پھر اس کی دو صورتیں ہوتی ہیں۔

(ا) میت کے ساتھ ان کا تعلق بھی ایک ہی شخص کی وساطت سے ہو اور ان کی قرابت بھی یکساں ہو تو وہ ترکہ میں برابر کے حق دار ہوتے ہیں اور اس میں مذکر و مؤنث کی تفریق نہیں ہوگی۔ مثلاً ایک شخص نے پسماندگان میں تین نواسے جو آپس میں بھائی ہیں چھوڑے یا دو نواسیاں اور ایک نواسا چھوڑا ہو ان میں ترکہ برابر تقسیم ہوتا ہے اور اگر کسی شخص کے پسماندگان میں تین بھانجے اور ایک ان کی بہن ہو تو ترکہ چار حصوں میں تقسیم کر کے سب کو ایک ایک حصہ دیا جاتا ہے۔

(ب) اگر میت کے ساتھ ان کا تعلق ایک ہی شخص کے واسطے سے ہو مگر ان کی قرابت میں فرق ہو تو ان کو اس شخص کے وارث سمجھ کر حصہ دیا جاتا ہے جس کی وجہ سے ان کا میت کے ساتھ تعلق قائم ہو۔ مثلاً ایک شخص نے ایک سگی خالہ، ایک علاتی خالہ اور ایک اخیافی خالہ چھوڑی تو سگی خالہ کو ترکے کا نصف، علاتی اور اخیافی کو چھٹا چھٹا حصہ دیا جائے گا کیوں کہ اگر یہ میت کی ماں کی وارث بنتیں تو اسی تناسب سے حصہ لیتیں۔

③ اگر میت کے ساتھ ان کا تعلق مختلف افراد کے ذریعے ہو اور ان کے سلسلہ میں واقع ورثاء تک ان کے واسطے بھی یکساں ہوں تو پہلے ان افراد کا حصہ نکالا جاتا ہے جن کے ذریعے ان کا میت کے ساتھ تعلق قائم ہوتا ہے۔ اس کے بعد ہر فرد یا فریق کو وہ حصہ دے دیا جاتا ہے جو اس شخص کا بنتا ہے جس کے ذریعے ان کا میت کے ساتھ تعلق قائم ہوا یعنی پھوپی کو باپ، خالہ کو ماں، نواسے، نواسیوں کو بیٹی اور بھانجے، بھانجیوں کو بہن کا

حصہ دیا جاتا ہے۔ مثلاً کسی شخص کی وارث پھوپی اور خالہ ہوں تو ان کے درمیان ترکہ یوں تقسیم کیا جاتا ہے کہ پھوپی کو $\frac{2}{3}$ اور خالہ کو $\frac{1}{3}$ حصہ دیا جاتا ہے کیوں کہ میّت کے ساتھ پھوپی کا رشتہ والد اور خالہ کا والدہ کے ذریعے قائم ہے۔ اگر والدین خود حیات ہوتے اور ان کے ساتھ کوئی دوسرا وارث موجود نہ ہوتا تو ان کو یہی حصہ ملنا تھا لہٰذا پھوپی کو والد اور خالہ کو والدہ کا حصہ ملنا چاہیے۔

اسی طرح جب پسماندگان میں صرف ایک نواسی اور بھانجی ہوں تو دونوں کو آدھا آدھا ترکہ ملتا ہے اس لئے کہ جب وارث ایک بیٹی اور ایک بہن ہو تو ان کو نصف نصف دیا جاتا ہے کیوں کہ ایک بیٹی نصف کی حق دار ہوتی ہے اور جب اس کے ساتھ بہن ہو تو وہ عصبہ ہوتی ہے اور باقی ماندہ ترکہ اسے دے دیا جاتا ہے۔ اگر ذوی الارحام اکیلا ہو تو سارا مال سمیٹ لیتا ہے اور اگر زیادہ ہوں تو آپس میں مساوی تقسیم کرتے ہیں جس میں مذکر و مؤنث کا فرق ملحوظ نہیں رکھا جاتا۔

④ لیکن جب ذوی الارحام میں سے کسی شخص کا کسی وارث سے تعلق پہلے قائم ہو جائے وہ دوسرے کو محروم کر دیتا ہے بشرطیکہ ان کی جہت (Side) ایک ہو۔ مثلاً نواسی کا بیٹا اور پوتی کی بیٹی ہو تو سارا مال پوتی کی بیٹی کو ملتا ہے اور نواسی کا بیٹا محروم رہتا ہے کیوں کہ نواسی وارث نہیں ہے جب کہ پوتی وارث ہے۔ اسی طرح بھتیجی کی بیٹی اور چچا کی بیٹی ہو تو مکمل مال پر چچا کی بیٹی کا حق ہوتا ہے کیوں کہ اس کا باپ وارث ہے جب کہ بھتیجی وارث نہیں ہے اور دونوں کی جہت بھی ایک ہے۔

اگر جہت مختلف ہو تو اس صورت میں کوئی دوسرے کو محروم نہیں کرتا بلکہ ہر ایک کو وہ حصہ دیا جاتا ہے جو اس کا حق بنتا ہے جس کی وجہ سے اس کا میت کے ساتھ تعلق قائم ہوا چاہے ان کے درجہ میں کتنا ہی فرق ہو جیسے ایک نواسی، ایک نواسی کی بیٹی اور ایک چچا کی بیٹی کی نواسی ہو تو نواسی کو نصف ملتا ہے کیوں کہ یہ اس کی نانی کا حصہ ہے اور بقیہ

نصف چچا کی بیٹی کی نواسی کو دیا جاتا ہے کیوں کہ یہ اس کے نانے کا حصہ ہے۔ نواسی کی ماں چونکہ وارث ہے اور اس کی جہت بھی وہی ہے جو نواسی کی بیٹی کی ہے اس لئے اس کے سبب نواسی کی بیٹی محروم ہوگئی جب کہ چچا کی جہت مختلف ہے اس لئے اس کی بیٹی کی نواسی محروم نہیں ہوئی۔

ذوی الارحام رشتہ داروں کی تین جہتیں (Sides) ہیں۔

① پدری جانب۔ اس میں میت کے باپ کی جانب کے وہ تمام رشتہ دار شامل ہیں جو اصحاب الفروض اور عصبات میں شمار نہ ہوں جیسے باپ کے ماموں، خالائیں، بھتیجیاں، بہن کی اولاد، چچا کی بیٹیاں، اخیافی چچا اور دادی کا باپ ہیں۔

② مادری جانب۔ اس میں ماں کی جانب کے وہ سب قرابت دار شامل ہیں جو اصحاب الفروض اور عصبات میں داخل نہیں ہیں جیسے نانا، نانے کی ماں، ماموں، خالائیں اور والدہ کا چچا اور پھوپی ہے۔

③ پسری جانب۔ اس میں بیٹیوں اور پوتیوں کی اولاد نیچے تک شامل ہیں۔

ترکہ کی تقسیم کا طریقہ

شرعی لحاظ سے تو علمِ میراث انہی احکام کا نام ہے جن کا ذکر پیچھے ہو چکا ہے تاہم ترکہ سے ہر فریق کو اس کا پورا پورا حق دینے کیلئے حساب کے مسائل جاننا بھی ضروری ہیں کیونکہ قرآن مجید میں تمام ورثاء کے حصے ٹکڑوں یعنی بٹوں میں بیان ہوئے ہیں جیسے $\frac{1}{2}$ - $\frac{1}{4}$ اور $\frac{1}{8}$ وغیرہ۔ اس لئے ترکہ سے ہر وارث کو کسی نقصان کے بغیر اس کا حق دینے کیلئے ایک ایسا عدد تلاش کرنا پڑتا ہے جس سے ہر فریق کو اس کا مقررہ حصہ بغیر نقصان کے مل سکے۔ جب تک یہ عدد معلوم نہ ہو ترکہ کی صحیح تقسیم ممکن نہیں ہوتی۔ علمِ وراثت کے ماہرین اس عدد کو "مخرَج" یا "اصل مسئلہ" کا نام دیتے ہیں اور یہ عدد مندرجہ ذیل سات اعداد میں سے کوئی ایک ہوتا ہے۔

.12,8.6.4,3.2 اور 24

اب کس صورت میں کونسا عدد مخرَج یا اصل مسئلہ ہوگا؟ اس کی تفصیل حسبِ ذیل ہے۔

① قرآن حکیم میں چھ حصے بیان ہوئے ہیں۔

$\frac{1}{2}$ - $\frac{1}{4}$ - $\frac{1}{8}$ - $\frac{2}{3}$ - $\frac{1}{3}$ - $\frac{1}{6}$

ماہرین وراثت ان حصوں کو دو گروپوں میں تقسیم کرتے ہیں۔

پہلا گروپ: $\frac{1}{2}$ - $\frac{1}{4}$ - $\frac{1}{8}$

دوسرا گروپ:- $\frac{2}{3}$ - $\frac{1}{3}$ - $\frac{1}{6}$

یعنی پہلے تین حصوں کو گروپ اول اور آخری تین کو گروپ دوم کہتے ہیں۔

② اگر کسی صورت میں ان چھ حصوں میں سے صرف کوئی ایک حصہ ہو تو مسئلہ بٹے کے نیچے والے عدد سے تشکیل پاتا ہے یعنی کسی مسئلہ میں اکیلا $\frac{1}{2}$ حصہ ہو تو "2" اور اگر کسی مسئلہ میں اکیلا $\frac{1}{4}$ حصہ ہو تو "4" اور اگر کسی مسئلہ میں اکیلا $\frac{1}{8}$ حصہ ہو تو "8" اور

اگر کسی مسئلہ میں تنہا $\frac{1}{3}$ یا تنہا $\frac{2}{3}$ حصہ ہو تو "3" اور اگر کسی مسئلہ میں اکیلا $\frac{1}{6}$ حصہ ہو تو مسئلہ "6" سے تشکیل پائے گا۔

مثالیں

(۱) ورثاء: ایک بیٹی حصہ $\frac{1}{2}$، سگا بھائی (عصبہ) اصل مسئلہ "2"۔ ایک حصہ بیٹی اور ایک حصہ بحیثیت عصبہ بھائی کو ملے گا۔

(۲) ورثاء: خاوند حصہ $\frac{1}{4}$، تین بیٹے (عصبہ) اصل مسئلہ "4" خاوند ایک، بیٹے تین حصے۔

(۳) ورثاء: بیوہ حصہ $\frac{1}{8}$، بیٹا (عصبہ) اصل مسئلہ "8" بیوہ ایک، بیٹا سات حصے۔

(۴) ورثاء: والدہ حصہ $\frac{1}{3}$، سگا بھائی (عصبہ) اصل مسئلہ "3" والدہ ایک اور بھائی دو حصے۔

(۵) ورثاء: دو بیٹیاں حصہ $\frac{2}{3}$، سگا بھائی (عصبہ) اصل مسئلہ "3" بیٹیاں دو حصے، اور بھائی ایک حصہ۔

(۶) ورثاء: والدہ حصہ $\frac{1}{6}$، والد حصہ $\frac{1}{6}$، بیٹا (عصبہ) دو بیٹیاں (عصبہ) اصل مسئلہ "6" والدہ ایک حصہ، والد ایک حصہ، بیٹا دو اور دو بیٹیاں دو حصے۔

③ اگر کسی مسئلہ میں ایک سے زائد فرضی حصے ہوں اور ان کا تعلق ایک ہی گروپ سے ہو تو جس حصے کا مخرج بڑا عدد ہو وہ اصل مسئلہ ہوگا یعنی $\frac{1}{2}$ اور $\frac{1}{4}$ ہوں تو ترکہ چار حصوں میں اور اگر $\frac{1}{2}$ اور $\frac{1}{8}$ ہوں تو ترکہ آٹھ حصوں میں تقسیم ہوگا۔ واضح رہے کہ $\frac{1}{4}$ اور $\frac{1}{8}$ جمع نہیں ہوتے کیونکہ یہ دونوں حصے خاوند اور بیوی کے ساتھ مخصوص ہیں۔ ظاہر ہے ایک وقت میں ان دونوں میں سے ایک ہی وارث ہوگا۔ اسی طرح $\frac{2}{3}$ اور $\frac{1}{3}$ اکھٹے ہوں تو ترکے کے تین اور اگر $\frac{1}{3}$ اور $\frac{1}{6}$ اکھٹے ہوں یا $\frac{2}{3}$ اور $\frac{1}{6}$ اکھٹے ہوں تو ترکے کے چھ حصے کئے جاتے ہیں۔

مثالیں

(۱) ورثاء: بیٹی حصہ $\frac{1}{2}$، خاوند حصہ $\frac{1}{4}$، چچا (عصبہ) اصل مسئلہ "4" بیٹی دو حصے،

خاوند ایک حصہ اور چچا ایک حصہ۔

(۲) ورثاء: بیٹی حصہ $\frac{1}{2}$، بیوہ حصہ $\frac{1}{8}$، چچا (عصبہ) اصل مسئلہ "8" بیٹی چار، بیوہ ایک اور چچا کو تین حصے۔

(۳) ورثاء: دو سگی بہنیں حصہ $\frac{2}{3}$، دو اخیافی بہنیں حصہ $\frac{1}{3}$، اصل مسئلہ "3" سگی بہنیں دو اور اخیافی بہنیں ایک حصہ۔

(۴) ورثاء: ماں حصہ $\frac{1}{3}$، اخیافی بھائی حصہ $\frac{1}{6}$، چچا (عصبہ) اصل مسئلہ "6" ماں دو، اخیافی بھائی ایک اور چچا کو تین حصے ملیں گے۔

(۵) ورثاء: والدہ حصہ $\frac{1}{6}$، دو بیٹیاں حصہ $\frac{2}{3}$، چچا (عصبہ) اصل مسئلہ "⑥" والدہ ایک، بیٹیاں چار اور چچا ایک حصہ۔

④ اور اگر ان فرضی حصوں کا تعلق دونوں گروپوں سے ہو تو پہلے گروپ سے $\frac{1}{2}$ حصہ ہونے کی صورت میں مسئلہ چھ اور $\frac{1}{4}$ ہونے کی صورت میں مسئلہ بارہ اور $\frac{1}{8}$ ہونے کی صورت میں مسئلہ چوبیس سے بنے گا، دوسرے گروپ سے اس کے ساتھ خواہ کا کوئی حصہ ہو۔

مثالیں

(۱) ورثاء: شوہر حصہ $\frac{1}{2}$، دو حقیقی بہنیں حصہ $\frac{2}{3}$، اصل مسئلہ "6" شوہر تین حصے، بہنیں چار حصے۔ یہاں عَول کی وجہ سے ایک حصہ بڑھالیا گیا ہے۔ عول کی تشریح آگے آرہی ہے۔

(۲) ورثاء: خاوند حصہ $\frac{1}{2}$، والدہ حصہ $\frac{1}{3}$، چچا (عصبہ) اصل مسئلہ "6" خاوند تین، والدہ ایک اور چچا دو حصے۔

(۳) ورثاء: بیٹی حصہ $\frac{1}{2}$، ماں حصہ $\frac{1}{6}$، چچا (عصبہ) اصل مسئلہ "6" بیٹی تین، ماں ایک اور چچا دو حصے۔

(۴) ورثاء: بیوی حصہ $\frac{1}{4}$، دو حقیقی بہنیں حصہ $\frac{2}{3}$، چچا (عصبہ) اصل مسئلہ "12" بیوی تین، بہنیں آٹھ حصے اور چچا ایک حصہ۔

(۵) ورثاء: بیوی حصہ $\frac{1}{4}$، ماں حصہ $\frac{1}{3}$، چچا (عصبہ) اصل مسئلہ "12" بیوی کو تین، ماں کو چار اور چچا کو پانچ حصے۔

(۶) ورثاء: شوہر حصہ $\frac{1}{4}$، ماں حصہ $\frac{1}{6}$، بیٹا (عصبہ) اصل مسئلہ "12" شوہر تین، ماں دو اور بیٹے کو سات حصے۔

(۷) ورثاء: بیوی حصہ $\frac{1}{8}$، دو بیٹیاں حصہ $\frac{2}{3}$، چچا (عصبہ) اصل مسئلہ "24" بیوی تین، بیٹیاں سولہ اور چچا پانچ حصے۔

(۸) ورثاء: بیوی حصہ $\frac{1}{8}$، والدہ حصہ $\frac{1}{6}$، بیٹا (عصبہ) اصل مسئلہ "24" بیوی تین، والدہ چار اور بیٹا سترہ حصے۔

ذہن نشین رہے کہ $\frac{1}{8}$ اور $\frac{1}{3}$ کا جمع ہونا ممکن نہیں کیونکہ $\frac{1}{8}$ بیوی کا حصہ ہے جو اسے اولاد موجود ہونے کی صورت میں ملتا ہے جب کہ $\frac{1}{3}$ والدہ کا حصہ ہے جو کہ اولاد موجود ہونے کی صورت میں کم ہو کر $\frac{1}{6}$ رہ جاتا ہے یا پھر اخیافی بہن، بھائیوں کا ہے جو اولاد کی موجودگی میں محروم رہتے ہیں لہٰذا ان دونوں حصوں کا اجتماع ناممکن ہے۔

وضاحت

ترکے کی تقسیم کیلئے کوئی عدد معلوم کرنے کا مذکورہ بالا طریقہ اسی وقت قابل عمل ہوتا ہے جب ورثاء میں صرف اصحاب الفروض یا اصحاب الفروض اور عصبات ملے جلے ہوں لیکن اگر کسی میّت کے ورثاء میں صرف عصبات ہی ہوں اور اصحاب الفروض میں سے کوئی ایک وارث بھی زندہ نہ ہو تو اور وہ عصبات مرد ہی ہوں، ان میں کوئی عورت شامل نہ ہو، مثلاً چار بیٹے ہوں تو انکی تعداد کے مطابق ترکے کے حصے کر لئے جائیں گے اور سب کو ایک ایک حصہ دے دیا جائے گا اور اگر مذکر و مؤنث دونوں ہوں تو ایک مذکر کو دو عورتوں کے برابر تصور کر کے حصے کیے جائیں گے، مثلاً ایک بیٹا اور بیٹی ہوں تو تین حصے کیے جائیں گے۔ دو حصے بیٹے کو اور ایک حصہ بیٹی کو ملے گا۔

ترکے کے حصوں کی تعداد بڑھانا

بعض اوقات جس عدد سے مسئلہ تشکیل پاتا ہے وہ ورثاء کے حصص کیلئے ناکافی ہوتا ہے کہ ان کے حصص کی مجموعی تعداد اصل مسئلے کے عدد سے بڑھ رہی ہوتی ہے جس کی وجہ سے اس عدد میں اضافہ ناگزیر ہوتا ہے۔ مثلاً وارث خاوند اور دو سگی بہنیں ہوں تو مسئلہ کی تشکیل یوں ہوگی۔ خاوند $\frac{1}{2}$، دو سگی بہنیں، $\frac{2}{3}$، اصل مسئلہ ''6''۔ شوہر کو تین اور بہنوں کو چار حصے ملے تو یہ کل سات حصے ہوئے جو اصل مسئلہ سے زائد ہیں اس لئے ایک حصہ بڑھا کر اصل مسئلے کو بھی سات کر لیا گیا یعنی ترکے کے چھ کی بجائے سات حصے کر لئے گئے۔ اس عمل کو ''عول'' کہتے ہیں اور اس کے نتیجے میں ہر وارث کے مقررہ حصے میں کمی واقع ہو جاتی ہے۔

عول کے لغوی معنی ہے ''زیادتی اور'' کمی کرنا'' چونکہ اس صورت میں ترکہ کے حصص میں اضافہ اور ہر وارث کے حصے میں کمی ہو جاتی ہے اس لئے اسے عول کہا جاتا ہے۔

علامہ عبدالرحمان بن ناصر السعدی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

''عول کے مسائل کا حکم بھی قرآن سے لیا گیا ہے۔ وہ اس طرح کہ اللہ تعالیٰ نے ورثاء کے حصے متعین فرما دیئے ہیں اور یہ ورثاء دو حالتوں کے درمیان ہیں ان میں سے بعض ورثاء بعض کی راہ میں حائل (حاجب) ہو رہے ہوں گے یا حائل نہیں ہو رہے ہوں گے۔

پھر اگر بعض بعض کی راہ میں حائل (حاجب) ہوں تو محجوب ساقط ہوگا اور وہ کسی چیز کا حقدار نہیں ہوگا۔ اگر ان میں سے کوئی وارث دوسرے کی راہ میں حائل نہ ہو تو اس صورت میں (۱) یا تو ترکہ مقررہ حصص سے زائد ہوگا (۲) یا مقررہ حصص کے مطابق ہوگا جس میں کوئی کمی بیشی نہیں ہوگی (۳) یا مقررہ حصص ترکے سے زائد ہوں گے۔

پہلی دو صورتوں میں ہر وارث اپنا مقررہ حصہ پورا پورا لے گا اور آخری صورت جس

میں مقررہ حصص ترکے سے زائد ہوتے ہیں اس کی دو صورتیں ہیں۔

① یا ہم بعض ورثاء کے حصے کم کریں اور باقی کو ان کے مکمل حصے دیں لیکن یہ ایسا امتیازی اقدام ہوگا جسکا کوئی جواز نہیں بنتا کیوں کہ ایک کے حصے کو کم کرنا دوسرے کے حصے کو کم کرنے سے زیادہ بہتر نہیں ہے یعنی سب کے حصص میں یکساں کمی ہونی چاہئے لہٰذا دوسری صورت بہتر ہوگی۔

② وہ ہے کہ جس طرح جب قرضے ترکہ سے زائد ہوں تو ہر قرض خواہ کو اس کے قرض کے تناسب سے ہی ادائیگی کی جاتی ہے اسی طرح ہر وارث کو ممکن حد تک ہی اس کا حصہ دیں اور یہ صرف عول کے ذریعے ہی ہوسکتا ہے۔ چنانچہ اس سے یہ معلوم ہوا کہ وراثت کے مسائل میں عول کا ذکر اللہ تعالیٰ نے اپنی کتاب میں کیا ہے۔"

(تیسیر الکریم الرحمان: ج ۱، ص ۱۹۴)

جیسا کہ پیچھے بیان ہوا کہ وراثت کے تمام مسائل 12,8.6.4,3.2 اور 24 سے تشکیل پاتے ہیں اور ان میں سے صرف 6، 12 اور 24 میں بعض اوقات عول واقع ہوتا ہے۔ 6 کا عول سات سے دس تک تمام عددوں میں واقع ہوسکتا ہے۔

مثالیں

(۱) ورثاء: شوہر حصہ $\frac{1}{2}$، دو سگی بہنیں حصہ $\frac{2}{3}$ اصل مسئلہ "6" اور عول "7" ہے۔ خاوند کو تین اور بہنوں کے چار حصے۔ یہاں عول کی وجہ سے ہر ایک کے حصے میں 14.28 فیصد کمی واقع ہوئی ہے۔

(۲) ورثاء: خاوند حصہ $\frac{1}{2}$، ماں حصہ $\frac{1}{6}$، دو سگی بہنیں حصہ $\frac{2}{3}$ اصل مسئلہ "6" اور عول "8" ہے۔ خاوند کو تین، ماں کو ایک اور بہنوں کو چار حصے۔ یہاں عول کی وجہ سے ہر ایک کے حصے میں 25 فیصد کمی ہوئی ہے۔

(۳) ورثاء: خاوند حصہ $\frac{1}{2}$، دو سگی بہنیں حصہ $\frac{2}{3}$، دو اخیافی بہنیں حصہ $\frac{1}{3}$ اصل مسئلہ "6" اور عول "9" ہے۔ خاوند کو تین، سگی بہنوں کو چار اور اخیافی بہنوں کو دو حصے۔

یہاں عول کے سبب ہر ایک کے حصے میں 33.33 فیصد کمی ہوئی ہے۔

(۴) ورثاء : خاوند حصہ $\frac{1}{2}$، والدہ حصہ $\frac{1}{6}$، دو سگی بہنیں حصہ $\frac{2}{3}$، دو اخیافی بہنیں حصہ $\frac{1}{3}$ اصل مسئلہ "6" اور عول "10" ہے۔ خاوند کو تین، ماں کو ایک، سگی بہنوں کو چار اور اخیافی بہنوں کو دو حصے۔ یہاں عول کے باعث ہر ایک کے حصے میں 40 فیصد کمی ہوئی ہے۔

12 کا عول 17 تک طاق اعداد یعنی 13,15,17 میں آسکتا ہے۔

مثالیں

(۱) ورثاء: بیوی حصہ $\frac{1}{4}$، ماں حصہ $\frac{1}{6}$، دو سگی بہنیں حصہ $\frac{2}{3}$ اصل مسئلہ "12" اور عول "13" ہے۔ بیوی کو تین، ماں کو دو اور بہنوں کو آٹھ حصے۔ یہاں عول کے سبب ہر وارث کے حصے میں 7.69 فیصد کمی ہوئی ہے۔

(۲) ورثاء: بیوی حصہ $\frac{1}{4}$، دو سگی بہنیں حصہ $\frac{2}{3}$، دو اخیافی بہنیں حصہ $\frac{1}{3}$ اصل مسئلہ "12" اور عول "15" ہے۔ بیوی کو تین، سگی بہنوں کو آٹھ اور اخیافی بہنوں کو چار حصے۔ یہاں ہر وارث کے حصے میں 20 فیصد کمی ہوئی ہے۔

(۳) ورثاء: بیوی حصہ $\frac{1}{4}$، ماں حصہ $\frac{1}{6}$، دو سگی بہنیں حصہ $\frac{2}{3}$، دو اخیافی بہنیں حصہ $\frac{1}{3}$ اصل مسئلہ "12" اور عول "17" ہے۔ بیوی کو تین، ماں کو دو، سگی بہنوں کو آٹھ اور اخیافی بہنوں کو چار حصے۔ یہاں عول کی وجہ سے ہر ایک کے حصے میں 29.41 فیصد کمی ہوئی ہے۔

24 کا عول صرف 27 آتا ہے۔

مثال: بیوی حصہ $\frac{1}{8}$، دو بیٹیاں حصہ $\frac{2}{3}$ والدہ حصہ $\frac{1}{6}$، والد حصہ $\frac{1}{6}$ اصل مسئلہ "24" اور عول "27" ہے۔ بیوی کو تین، بیٹیوں کو سولہ، والدہ اور والد کو چار چار حصے۔ یہاں عول کی وجہ ہر ایک حصے میں 11.11 فیصد کمی ہوگی۔

رَدّ (Return)

رد کے لفظی معنٰی لوٹانے کے ہیں۔ علمِ میراث کی اصطلاح میں عول کی ضد ردّ ہے۔ عول میں اصحاب الفروض کے حصے کم ہوتے ہیں جبکہ رد میں ان کے حصے بڑھ جاتے ہیں۔ چنانچہ اصحاب الفروض کو ان کے مقررہ حصے دینے کے بعد اگر کچھ مال بچ جائے اور کوئی عصبہ نہ ہو تو بقیہ مال دوبارہ اصحاب الفروض پر ان کے حصوں کے مطابق تقسیم کر دیا جاتا ہے۔ اس عمل کو علم میراث کی اصطلاح میں ردّ کہتے ہیں۔

جمہور صحابہ رضی اللہ عنہم، امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ اور امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ کے نزدیک جب ورثاء میں صرف اصحاب الفروض ہوں اور کوئی عصبہ موجود نہ ہو اور اصحاب الفروض کو ان کے مقررہ حصے دینے کے بعد کچھ ترکہ بچ رہا ہو تو بقیہ ترکہ خاوند یا بیوی کو چھوڑ کر باقی اصحاب الفروض میں دوبارہ ان کے حصص کے تناسب سے تقسیم کر دیا جاتا ہے۔ اس عمل کو رَدّ (Return) کہتے ہیں۔ عصبہ کی عدم موجودگی اور ترکہ کا اصحاب الفروض کے مقررہ حصص سے زائد ہونا ہے۔ رَدّ کی دو بنیادی شرطیں ہیں۔ اگر ترکہ مقررہ حصص کے مطابق ہی ہو یا کوئی عصبہ وارث موجود ہو خواہ وہ اصحاب الفروض میں بھی شامل ہو جیسے باپ اور دادا ہے جو میّت کی صرف مؤنث اولاد ہونے کی صورت میں اپنا اصل حصہ لینے کے ساتھ ساتھ بحیثیت عصبہ بقیہ مال کے بھی وارث ہوتے ہیں تو رَدّ کی ضرورت پیش نہیں آتی۔ کیوں کہ وہ اپنا فرض حصہ لینے کے بعد باقی ترکہ بحیثیت عصبہ حق دار ہوتے ہیں۔

جب کہ حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ، حضرت عروہ، امام زہری، امام مالک اور امام شافعی رحمۃ اللہ علیہم کے نزدیک جب کوئی عصبہ وارث موجود نہ ہو تو زائد مال بیت المال کی ملکیت ہوتا ہے یعنی یہ حضرات رَدّ کے قائل نہیں ہیں۔ ان کا استدلال یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ہر وارث کا حصہ مقرر کر دیا ہے لہٰذا کسی وارث کو اس کے مقررہ حصے سے زائد نہیں

دیا جاسکتا اور جو ترکہ ان کے حصص سے زائد ہو وہ بیت المال کا حق ہوگا کیوں کہ اس کا کوئی اور حق دار موجود نہیں ہے۔(الموسوعۃ الفقھیۃ:ج ۳،ص ۵۱)

امام ابن حزم رحمہ اللہ کہتے ہیں جب عصبات موجود نہ ہوں تو اصحاب الفروض کے مقررہ حصص سے زائد مال مسلمانوں کی فلاح و بہبود کے منصوبوں پر خرچ کر دینا چاہئے۔چنانچہ وہ اپنی مشہور کتاب المحلّٰی میں لکھتے ہیں:

''جب ترکہ اصحاب الفروض کے متعینہ حصص سے زائد ہو اور کوئی عصبہ موجود نہ ہو تو وہ ترکہ مسلمانوں کی بہبود پر خرچ کیا جائے گا،اصحاب الفروض اور ذوی الارحام پر رَدّ نہیں ہوگا کیوں کہ ایسا کرنا قرآن وسنت اور اجماع امت کی رو سے واجب نہیں ہے۔تاہم اگر ذوی الارحام تنگدست ہوں تو ان کو ضرورت کے مطابق دے کر بقیہ ترکہ مسلمانوں کی فلاح و بہبود کیلئے مختص کر دینا چاہئے۔''(المحلی:ج ۹،ص ۳۱۲)

لیکن دلائل کے اعتبار سے ان حضرات کی رائے ہی راجح ہے جو رَدّ کے حق میں ہیں۔

رَدّ کے دلائل

① قرآن پاک میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

{ وَ اُولُوا الْاَرْحَامِ بَعْضُهُمْ اَوْلٰى بِبَعْضٍ فِيْ كِتٰبِ اللّٰهِ مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ وَ الْمُهٰجِرِيْنَ اِلَّاۤ اَنْ تَفْعَلُوْۤا اِلٰۤى اَوْلِيٰٓىِٕكُمْ مَّعْرُوْفًا ؕ كَانَ ذٰلِكَ فِي الْكِتٰبِ مَسْطُوْرًا۝ } (الاحزاب،٦)

''کتاب اللہ کی رو سے مومنوں اور مہاجرین کی بہ نسبت رشتہ دار ایک دوسرے کے زیادہ حق دار ہیں ہاں تم اپنے دوستوں کے ساتھ حسن سلوک کرنا چاہو تو اس کی اجازت ہے یہ حکم کتاب الٰہی میں لکھا ہوا ہے۔''

یہ آیت اس بات کی دلیل ہے کہ باہمی قرابت کے باعث اصحاب الفروض متوفی کے تمام ترکہ کے مستحق ہیں اور دوسری طرف سورۂ نساء کی آیاتِ وراثت سے معلوم ہوتا

ہے کہ وہ صرف اپنے مقررہ حصص کے ہی حق دار ہیں لہٰذا دونوں احکام پر عمل اسی طرح ہوگا کہ ترکہ نہ بچنے کی صورت میں تو مقررہ حصص ہی دیئے جائیں اور زائد ہونے کی صورت میں باقی ماندہ ترکہ بھی دے دیا جائے اور یہی رَدّ ہے۔

چونکہ خاوند اور بیوی کا باہمی تعلق نسبی قرابت کی بنیاد پر نہیں بلکہ نکاح کے سبب قائم ہوتا ہے جو کہ موت کے بعد ازدواجی تعلقات کی حد تک باقی نہیں رہتا اس لئے ان پر رَدّ نہیں ہوتا ہاں اگر خاوند اور بیوی آپس میں چچا زاد ہوں تو اس صورت میں خاوند بحیثیت عصبہ باقی ماندہ ترکہ کا مالک ہوگا یا اگر کسی میّت کے ذوی الارحام میں سے بھی کوئی حیات نہ ہوں تو اس صورت میں بقیہ ترکہ خاوند یا بیوہ پر رَدّ کیا جا سکتا ہے جیسا کہ مصر اور شام کے قوانین وراثت میں قرار دیا گیا ہے اور برصغیر پاک وہند میں بھی عدالتیں اس کے حق میں فیصلے دیتی رہی ہیں۔ (مجموعہ قوانین اسلام: ج ۵، ص ۱۸۰۹، ۱۸۱۰)

② نبی کریم ﷺ کا ارشاد گرامی ہے:

"وَمَنْ تَرَكَ مَالاً فَلِوَرَثَتِهِ" (البخاري: باب من ترك مالا فلاهله)

"جو شخص مال چھوڑ گیا وہ اس کے ورثاء کا حق ہے۔"

یہ حکم اس ترکہ کے بارے میں بھی ہے جو اصحاب الفروض کے حصے دینے کے بعد بچ جائے لہٰذا جب عصبات موجود نہ ہو تو اصحاب الفروض تمام مال کے حق دار ہوں گے۔

③ ایک عورت نے نبی اکرم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہو کر عرض کیا اے اللہ کے رسول ﷺ میں نے اپنی والدہ کو ایک لونڈی دے دی تھی۔ اب میری والدہ فوت ہوگئی ہے اور لونڈی زندہ ہے تو آپ نے فرمایا:

"اللہ نے تجھے ثواب عطا کر دیا اور لونڈی میراث میں تیرے پاس واپس آ گئی۔" (مسند احمد، سنن ابن ماجه: باب من تصدق بصدقة ثم ورثها)

آپ نے رَدّ کی بنیاد پر ہی پوری لونڈی کو عورت کی میراث قرار دیا تھا ورنہ وہ نصف کی حق دار تھی۔

④ حضور نبی کریم ﷺ حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ کی بیمار پرسی کے لئے

تشریف لے گئے انہوں نے آپ سے پوچھا کہ میرے ترکہ کی وارث فقط میری ایک بیٹی ہے کیا میں اپنے پورے مال کی وصیّت کر سکتا ہوں؟ آپ نے فرمایا نہیں پھر نصف کے متعلق پوچھا آپ نے اس کی بھی اجازت نہ دی پھر تیسرے حصے کے بارے میں پوچھا تو آپ نے فرمایا اس کی اجازت ہے تاہم یہ بھی زیادہ ہے۔(صحیح البخاری)

ایک بیٹی کا فرض حصہ $\frac{1}{2}$ ہے مگر اس کے باوجود حضرت سعد رضی اللہ عنہ نے اس کو اپنے تمام مال کی وارث قرار دیا جو کہ رَدّ کے طریقے سے ہو سکتا ہے اور آپ نے اس کی نفی نہیں فرمائی۔

⑤ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے دور میں ایک عورت نے جس سے اس کے شوہر نے لعان کیا تھا بچے کو جنم دیا جب وہ بیٹا فوت ہوا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کا تمام ترکہ عورت کو دلوایا جو کہ رَدّ کے بغیر ممکن نہیں ہے۔(سنن ابی داؤد: باب میراث ابن الملاعنة)

لعان سے مراد یہ ہے کہ جب خاوند اپنی بیوی پر بدکاری کی تہمت لگائے اور بیوی اس کا انکار کرے تو دونوں عدالت میں حاضر ہو کر مخصوص الفاظ میں پانچ پانچ قسمیں کھائیں گے۔لعان کی کارروائی مکمل ہونے پر عدالت ان کا نکاح فسخ کر دے گی۔اگر شوہر پیدا ہونے والے بچے کو اپنا نطفہ تسلیم کرنے کو تیار نہ ہو تو وہ بچہ اپنی ماں کی طرف منسوب ہوگا۔

اہل رَدّ ورثاء

اصحاب الفروض میں بارہ افراد شامل ہیں مگر ان میں سے مندرجہ ذیل آٹھ افراد پر ہی رَدّ ہوتا ہے۔

(۱) بیٹی۔(۲) پوتی۔(۳) حقیقی بہن۔(۴) علاتی بہن۔(۵) اخیافی بہن۔(۶) والدہ۔(۷) دادی، نانی۔(۸) اخیافی بھائی۔

اگرچہ خاوند اور بیوی اصحاب الفروض میں داخل ہیں مگر ان پر رَدّ نہیں ہوتا جیسا کہ گذشتہ سطور میں بیان کیا گیا ہے۔نیز والد اور دادا بھی اصحاب الفروض میں شامل ہیں لیکن ان پر بھی رَدّ نہیں ہوتا کیوں کہ جب میّت کی اولاد نہ ہو یا صرف مؤنث اولاد ہو تو یہ فرض حصص سے زائد مال کے بحیثیت عصبہ حق دار ہوتے ہیں لہٰذا ان کی موجودگی میں رَدّ کی ضرورت ہی پیش نہیں آتی۔

ورثاء کے محروم رہنے اور حصہ پانے کی صورتیں ایک نظر میں

1۔ خاوند

محروم رہنے کی صورت	حصہ پانے کی صورتیں	حصہ
خاوند کے محروم رہنے کی کوئی صورت نہیں۔	1۔ متوفیہ کی اپنی یا اس کے بیٹے کی اولاد میں سے نیچے تک کوئی موجود ہو، متوفیہ کی اولاد خواہ موجودہ شوہر سے ہو یا کسی سابق شوہر سے۔	$\frac{1}{4}$
	2۔ متوفیہ کی اپنی یا اس کے بیٹے کی اولاد میں نیچے تک کوئی موجود نہ ہو۔	$\frac{1}{2}$

2۔ بیوی

محروم رہنے کی صورت	حصہ پانے کی صورتیں	حصہ
بیوی کسی صورت محروم نہیں ہوتی	1۔ فوت شدہ خاوند کی اپنی یا اس کے بیٹے کی اولاد میں سے نیچے تک کوئی موجود ہو۔	$\frac{1}{8}$
	2۔ فوت شدہ خاوند کی اپنی یا اس کے بیٹے کی اولاد میں سے نیچے تک کوئی موجود نہ ہو نوٹ! اگر بیویاں ایک سے زائد ہوں تب بھی ان کو $\frac{1}{8}$ یا $\frac{1}{4}$ حصہ ہی ملے گا جو وہ آپس میں برابر تقسیم کریں گی۔	$\frac{1}{4}$

3۔ باپ

محروم رہنے کی صورت	حصہ پانے کی صورتیں	حصہ
باپ کسی حالت میں محروم نہیں ہوتا۔	1۔ مرنے والے کی حقیقی اولاد یا اس کے بیٹے کی اولاد میں سے نیچے تک کوئی موجود	$\frac{1}{6}$

	ہو۔خواہ بیٹے بیٹیاں دونوں ہوں یا صرف بیٹے	
	2۔مرنے والے کی نہ اپنی اولاد میں سے کوئی زندہ ہو اور نہ اس کے بیٹے کی اولاد میں سے نیچے تک کوئی حیات ہو البتہ کوئی اور وارث زندہ ہو۔	عصبہ
	3۔میت کی صرف مؤنث اولاد ہو۔	$\frac{1}{6}$+عصبہ
	4۔باپ کے علاوہ میت کا کوئی اور وارث زندہ نہ ہو۔	کل مال

4۔ماں

محروم رہنے کی صورتیں	حصہ پانے کی صورتیں	حصہ
والدہ کسی بھی حالت میں محروم نہیں ہوتی	1۔میت کی اپنی یا اس کے بیٹے کی اولاد میں سے کوئی موجود ہو یا اس کے دو یا دو سے زائد بہن بھائی زندہ ہوں، خواہ وہ سگے ہوں یا علاتی اور اخیافی، خواہ دونوں بھائی ہوں یا بہنیں یا بہن اور بھائی ملے جلے	$\frac{1}{6}$
	2۔میت کی اپنی یا اس کے بیٹے کی نیچے تک اولاد موجود نہ ہو یا ایک بھائی یا ایک بہن موجود ہو	کل جائیداد کا $\frac{1}{3}$
	3۔میت کا خاوند باپ اور ماں وارث ہوں یا بیوی اور ماں باپ وارث ہوں	خاوند یا بیوی کا حصہ نکالنے کے بعد باقی مال کا $\frac{1}{3}$

5۔ جدّ (دادا، پردادا وغیرہ)

محروم رہنے کی صورتیں	حصہ پانے کی صورتیں	حصہ
میت کے باپ کی موجودگی میں دادا محروم رہتا ہے۔	باپ کے قائم مقام	ا

6۔ جدّہ (دادی، نانی)

محروم رہنے کی صورتیں	حصہ پانے کی صورتیں	حصہ
ماں کی موجودگی میں جدّہ کو حصہ نہیں ملتا	فرضی حصہ پانے کی مزید کوئی شرط نہیں ہے، بس محروم نہ ہو۔	$\frac{1}{6}$

7۔ بیٹا

محروم رہنے کی صورتیں	حصہ پانے کی صورتیں	حصہ
1۔ بیٹے کے محروم رہنے کی کوئی صورت نہیں ہے۔	1۔ صرف بیٹا یا بیٹے ہوں اور دیگر کوئی وارث نہ ہو	کل مال
	2۔ بیٹے یا بیٹوں کے ساتھ میت کا کوئی اور وارث بھی ہو	عصبہ
	3۔ بیٹے اور بیٹیاں دونوں ہوں	بیٹے کو دو اور بیٹی کو ایک حصہ

8۔ بیٹی

محروم رہنے کی صورتیں	حصہ پانے کی صورتیں	حصہ
بیٹی کسی صورت میں محروم نہیں ہوتی۔	1۔ صرف ایک بیٹی ہو اور ساتھ میں بیٹے بیٹیوں کے علاوہ دیگر ورثاء بھی ہوں	$\frac{1}{2}$
	2۔ دو یا دو سے زائد بیٹیاں ہوں	$\frac{2}{3}$

محروم رہنے کی صورتیں	حصہ پانے کی صورتیں	حصہ
	3۔ بیٹیوں کے ساتھ بیٹے بھی ہوں	بیٹی کو ایک بیٹے کو دو حصے
	4۔ بیٹی یا بیٹیوں کے علاوہ کوئی اور وارث زندہ نہ ہو	کل مال

9۔ پوتا (نیچے تک)

محروم رہنے کی صورتیں	حصہ پانے کی صورتیں	حصہ
میت کے بیٹے کی موجودگی میں پوتا محروم رہتا ہے	1۔ صرف پوتا یا پوتے ہوں اور ان کے ساتھ کوئی دوسرا وارث نہ ہو	کل مال
	2۔ پوتے یا پوتوں کے ساتھ کوئی دوسرا وارث بھی ہو	عصبہ
	3۔ پوتوں کے ساتھ پوتیاں بھی ہوں	پوتے کو دو اور پوتی کو ایک حصہ

10۔ پوتی (پڑوتی، پڑپوتی نیچے تک)

محروم رہنے کی صورتیں	حصہ پانے کی صورتیں	حصہ
1۔ میت کا بیٹا یا قریبی پوتا موجود ہو	1۔ صرف ایک پوتی ہو اور اس کے ساتھ کوئی پوتا موجود نہ ہو	$\frac{1}{2}$
2۔ اس سے اوپر میت کی اولاد میں سے دو عورتیں موجود ہوں اور اسے عصبہ بنانے والا بھی نہ ہو	2۔ پوتیاں دو یا دو سے زائد ہوں	$\frac{2}{3}$
	3۔ پوتی کے ساتھ میت کی ایک حقیقی بیٹی بھی ہو	$\frac{1}{6}$

	4۔ پوتیوں کے ساتھ پوتے بھی ہوں	پوتے کو دو اور پوتی کو ایک حصہ

11۔ ماں شریک بہن، بھائی

محروم رہنے کی صورتیں	حصہ پانے کی صورتیں	حصہ
میت کے بیٹے، بیٹی، پوتے، پوتی یا باپ اور دادے میں سے کوئی ایک زندہ ہوتو ماں شریک بہن بھائی محروم ہوں گے	1۔ ماں شریک بہن یا بھائی ایک ہو	$\frac{1}{6}$
	2۔ دو یا دو سے زائد ہوں، خواہ سب بھائی ہوں یا بہنیں یا دونوں ملے جلے	$\frac{1}{3}$ مساوی

12۔ سگے بھائی

محروم رہنے کی صورتیں	حصہ پانے کی صورتیں	حصہ
1۔ میت کا باپ یا دادا اوپر تک حیات ہو۔	1۔ بھائی کے علاوہ کوئی دوسرا وارث زندہ نہ ہو	کل مال
2۔ میت کا کوئی بیٹا یا پوتا نیچے تک موجود ہوتو سگے بھائیوں کو حصہ نہیں ملتا	2۔ اس کے ساتھ کوئی دوسرا وارث بھی حیات ہو	عصبہ
	نوٹ! اگر ایک سے زائد بھائی ہوں تو آپس میں مساوی تقسیم کریں گے	

13۔ سگی بہن

محروم رہنے کی صورتیں	حصہ پانے کی صورتیں	حصہ
1۔ میت کا باپ یا دادا اوپر تک موجود ہو 2۔ میت کا بیٹا یا پوتا نیچے تک موجود ہو تو سگی بہن کو حصہ نہیں ملتا	1۔ وارث فقط اکیلی سگی بہن ہو اور اس کے ساتھ کوئی دوسرا وارث موجود نہ ہو 2۔ بہن ایک ہو مگر اس کے ساتھ کوئی اور وارث بھی موجود ہو	کل مال
	3۔ بہنیں دو یا دو سے زائد ہوں	$\frac{1}{2}$
	4۔ بہن یا بہنوں کے ساتھ میت کی ایک یا زیادہ مؤنث اولاد موجود ہوں	$\frac{2}{3}$
	5۔ بہن یا بہنوں کے ساتھ ان کا بھائی موجود ہو	عصبہ، بھائی کو دو، بہن کو ایک حصہ

14۔ باپ شریک بھائی

محروم رہنے کی صورتیں	حصہ پانے کی صورتیں	حصہ
1۔ میت کے باپ، دادے اوپر تک یا بیٹے اور پوتے میں سے نیچے تک کوئی موجود ہو	1۔ باپ شریک بھائی کے علاوہ میت کا کوئی دوسرا وارث موجود نہ ہو	کل مال
2۔ میت کا کوئی سگا بھائی موجود ہو یا سگی بہن عصبہ مع الغیر ہو تو باپ شریک بہن بھائیوں کو حصہ نہیں ملتا	2۔ کوئی اور وارث بھی موجود ہو	عصبہ

15۔ باپ شریک بہن

محروم رہنے کی صورتیں	حصہ پانے کی صورتیں	حصہ
1۔ میت کے باپ، دادے اوپر تک یا بیٹے اور پوتے میں سے نیچے تک کوئی موجود ہو	1۔ باپ شریک بہن اکیلی ہو	$\frac{1}{2}$
2۔ میت کا سگا بھائی موجود ہو یا سگی بہن عصبہ مع الغیر ہو	2۔ باپ شریک بہنیں دو یا دو سے زائد ہوں	$\frac{2}{3}$
3۔ میت کی دو یا دو سے زائد سگی بہنیں موجود ہوں تو باپ شریک بہنوں کو حصہ نہیں ملتا	3۔ باپ شریک بہن یا بہنوں کے ساتھ میت کی ایک سگی بہن بھی موجود ہو	$\frac{1}{6}$
	4۔ باپ شریک بہنوں کے ساتھ ان کا بھائی بھی موجود ہو	بھائی کو دو بہن کو ایک حصہ
	5۔ باپ شریک بہن کے ساتھ میت کی بیٹی یا پوتی میں سے نیچے تک کوئی ہو	عصبہ

16۔ سگے بھائی کا بیٹا (نیچے تک)

محروم رہنے کی صورتیں	حصہ پانے کی صورتیں	حصہ
1۔ میت کا باپ یا دادا اوپر تک یا بیٹا یا پوتا نیچے تک یا سگا بھائی یا باپ شریک بھائی موجود ہو	1۔ سگے بھائی کے بیٹے یا بیٹیوں کے ساتھ میت کا کوئی اور وارث موجود نہ ہو	کل مال

2۔میت کی سگی یا علاتی بہن میت کی بیٹی یا پوتی کے ساتھ مل کر عصبہ کی حیثیت سے حصہ لے رہی ہو تو سگے بھائی کا بیٹا محروم رہے گا	2۔ان کے ساتھ میت کا کوئی دوسرا وارث بھی موجود ہو	عصبہ

17۔باپ شریک بھائی کا بیٹا (نیچے تک)

محروم رہنے کی صورتیں	حصہ پانے کی صورتیں	حصہ
1۔میت کا باپ یا دادا اوپر تک یا بیٹا یا پوتا نیچے تک یا میّت کا سگا بھائی یا باپ شریک بھائی موجود ہو	1۔باپ شریک بھائی کے بیٹے کے علاوہ کوئی دوسرا وارث زندہ نہ ہو	کل مال
2۔میت کی سگی یا علاتی بہن میت کی بیٹی یا پوتی کے ساتھ مل کر عصبہ کی حیثیت سے حصہ لے رہی ہو	2۔کوئی دوسرا وارث بھی زندہ ہو	عصبہ
3۔میت کے سگے بھائی کا بیٹا موجود ہو تو باپ شریک بھائی کے بیٹے کو حصہ نہیں ملے گا		

18۔سگا چچا

محروم رہنے کی صورتیں	حصہ پانے کی صورتیں	حصہ
1۔میت کا باپ یا دادا اوپر تک یا بیٹا یا پوتا نیچے تک یا سگا بھائی یا باپ شریک بھائی موجود ہو	1۔سگے چچا کے علاوہ کوئی اور وارث زندہ نہ ہو	کل مال

2۔میت کی سگی یا علاتی بہن میت کی بیٹی یا پوتی کے ساتھ مل کر عصبہ کی حیثیت سے وارث ہو	2۔کوئی اور وارث بھی زندہ ہو	عصبہ
3۔میت کے باپ شریک بھائی کا بیٹا موجود ہو تو سگا چچا محروم رہے گا		

19۔علاتی چچا

محروم رہنے کی صورتیں	حصہ پانے کی صورتیں	حصہ
1۔میت کا باپ یا دادا اوپر تک یا بیٹا یا پوتا نیچے تک یا سگا بھائی یا باپ شریک بھائی موجود ہو	1۔علاتی چچا کے علاوہ کوئی اور وارث زندہ نہ ہو	کل مال
2۔میت کی سگی یا علاتی بہن میت کی بیٹی یا پوتی کے ساتھ مل کر عصبہ کی حیثیت سے وارث ہو	2۔کوئی دوسرا وارث بھی زندہ ہو	عصبہ
3۔سگا چچا، سگا بھتیجا یا باپ شریک بھتیجا موجود ہو تو علاتی چچا کو کچھ نہیں ملتا		

20۔سگے چچا کا بیٹا (نیچے تک)

محروم رہنے کی صورتیں	حصہ پانے کی صورتیں	حصہ
1۔میت کا باپ یا دادا اوپر تک یا بیٹا یا پوتا نیچے تک یا سگا بھائی یا باپ شریک بھائی موجود ہو	1۔سگے چچا کے بیٹے کے علاوہ کوئی اور وارث زندہ نہ ہو	کل مال

2۔میت کی سگی یا علاتی بہن میت کی بیٹی یا پوتی کے ساتھ عصبہ کی حیثیت سے وارث ہو	2۔کوئی دوسرا وارث بھی زندہ ہو	عصبہ
3۔سگا چچا، باپ شریک چچا، سگا بھتیجا یا باپ شریک بھتیجا موجود ہو تو سگے چچا کے بیٹے کو حصہ نہیں ملتا		

21۔علاتی چچا کا بیٹا

محروم رہنے کی صورتیں	حصہ پانے کی صورتیں	حصہ
1۔میت کا باپ یا دادا اوپر تک یا بیٹا یا پوتا نیچے تک یا سگا بھائی یا باپ شریک بھائی موجود ہو	1۔علاتی چچا کے بیٹے کے ساتھ میت کا کوئی اور وارث موجود نہ ہو	کل مال
2۔میت کی سگی یا علاتی بہن میت کی بیٹی یا پوتی کے ساتھ عصبہ کی حیثیت سے وارث ہو	2۔کوئی دوسرا وارث بھی موجود ہو	عصبہ
3۔بھتیجا، سگا یا علاتی چچا یا سگے چچا کا بیٹا موجود ہو تو علاتی چچا کے بیٹے کو حصہ نہیں ملتا		

اصطلاحات کی تشریح (Glossary)

اصطلاح	تشریح
اخیافی بہن بھائی	جن کی ماں ایک ہو اور باپ الگ الگ۔ اِن کو ماں شریک بہن بھائی بھی کہا جاتا ہے۔
اسبابِ وراثت	وہ رشتے جن کے سبب ایک شخص دوسرے کا وارث قرار پاتا ہے۔
اصحاب الفروض	وہ رشتہ دار جن کے حصے قرآن وحدیث میں مقرر ہیں۔
اصل مسئلہ	وہ سب سے چھوٹا عدد (ہندسہ) جس سے اصحاب الفروض کے حصے بغیر اعشاریہ کے نکالے جا سکیں۔
تخارُج	کسی وارث کا کوئی مخصوص چیز لے کر اپنے حصے سے دستبردار ہونا۔
ترکہ	میت کا چھوڑا ہوا مال۔
حاجب	جس کی وجہ سے دوسرے وارث کا حصہ کم یا ساقط ہو جائے۔
حَجب	ایک وارث کے سبب دوسرے وارث کے حصے میں کمی ہونا یا اپنے حصے سے محروم ہونا۔
حَجبِ حرمان	ایک وارث کی وجہ سے دوسرے وارث کا ترکے سے بالکل محروم ہونا۔
حَجبِ نقصان	ایک وارث کے باعث دوسرے کا حصہ کم ہونا۔
خُنثیٰ	دو جنسی شخص، جس کی جنس (Sex) واضح نہ ہو۔
ذوی الارحام	وہ رشتہ دار جو نہ اصحاب الفروض میں شامل ہوں اور نہ عصبات میں۔
ردّ	ورثاء کو ان کے طے شدہ حصے دینے کے بعد بچا ہوا مال خاوند اور بیوی کے علاوہ باقی اصحاب الفروض کو ان کے حصص کے تناسب سے دوبارہ دینا۔

عَصبات	عصبہ کی جمع۔ وہ رشتہ دار جن کے حصے مقرر نہیں ہیں بلکہ وہ اصحاب الفروض سے بچا ہوا مال لیتے ہیں اور اگر اصحاب الفروض موجود نہ ہوں تو سارا مال انہی کا حق ہوتا ہے۔
عصبہ بالنفس	وہ مرد رشتہ دار جن کا میت کے ساتھ رشتہ کسی عورت کے واسطے سے قائم نہ ہو۔
عصبہ بالغیر	وہ عورتیں ہیں جو براہِ راست عصبہ میں شامل نہیں ہوتیں بلکہ دیگر عصبات کے ساتھ مل کر عصبہ بنتی ہیں۔
عصبہ مع الغیر	وہ عورتیں جو بنیادی طور پر تو اصحاب الفروض میں شمار ہوتی ہیں لیکن کسی دوسری ذی فرض عورت کے سبب عصبہ بنتی ہیں۔
علاتی بہن بھائی	باپ شریک بہن بھائی یعنی وہ بہن، بھائی جن کا باپ ایک اور ماں الگ الگ ہو۔
عَول	ورثاء کے حصص کی مجموعی تعداد اصل مسئلہ سے بڑھنے کی صورت میں ترکہ کے حصوں کی تعداد میں اضافہ کرنا۔
کلالہ	وہ شخص جس کی وفات کے وقت نہ اس کے باپ اور دادا میں سے اوپر تک کوئی زندہ ہو اور نہ اس کی اولاد میں سے نیچے تک کوئی زندہ ہو۔
محجوب	وہ شخص جس کا حصہ کسی دوسرے وارث کی موجودگی میں کم ہو رہا ہو یا وہ اپنے حصے سے بالکل محروم ہو جائے۔
موانع وراثت	مانع کی جمع، وہ رکاوٹیں جن کے باعث کوئی وارث اپنے حقِ وراثت سے محروم ہو جاتا ہے۔
مورِّث	وہ شخص جس کی جائیداد تقسیم کی جانی ہو۔
ورثاء	جو شرعی لحاظ سے وراثت کے مستحق ہوں۔
ولاء	غلام کی آزادی کے نتیجے میں مالک اور اس کے آزاد کردہ غلام کے درمیان قائم شدہ تعلق۔